قد افلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربہ فصلیٰ (القرآن الحکیم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاہد من جاہد نفسہ (حدیث شریف)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ چکوال

المرشد

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر العلوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلامہ قلزم فیوض و برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

تصوّف و سلوک

تصوّف و سلوک ، دین اسلام کی اصل بھی ہے اور ثمر بھی ، روح بھی ہے اور حقیقت بھی ۔ قرآن حکیم نے فلاح کا معیار تزکیہ کو قرار دیا ہے جو تصوف کا عین مقصود ہے ، قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم زوال و انحطاط کا شکار ہوتی ہے تو اسکی زندگی کا کوئی پہلو اس کی زد سے بچ نہیں سکتا ۔ اسی عمومی قاعدہ کے تحت مسلمان جب اپنی اصل سے دور ہونے لگے ۔ رب العالمین اور رحمۃ للعالمین ﷺ سے جب ان کا قلبی اور عملی تعلق کمزور ہونا شروع ہوا تو وہ من حیث القوم ہر قسم اور ہمہ پہلو زوال و انحطاط کا شکار ہو گئے ۔ چنانچہ سلاسل تصوف اور ان کے متوسلین بھی (الا ماشاء اللہ) اپنے مقصد اور طریق کار سے اتنے دور ہوتے گئے کہ اسلام کی ابتدائی دور کی سادہ ، پاکیزہ اور للہیت سے بھرپور زندگی سے ان کی کوئی نسبت نہ رہی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام و خواص یا تو حقیقی تصوف کے منکر ہو گئے یا بیگانۂ محض ۔ حالانکہ صحیح اسلامی تصوف نہ تو کوئی انوکھی چیز ہے نہ شجر ممنوعہ ۔

تصوف کی ابتدا اور انتہا ذکر الٰہی ہے تاکہ بندے کے قلب کا تعلق اپنے خالق سے قائم رہے ۔ ذکر الٰہی کا تزکیہ باطن اور تعمیر سیرت سے تعلق قرآن حکیم کے ارشادات اور نبی کریم کی عملی زندگی سے روز روشن کی طرح واضح ہے ۔ سورہ مزمل جو نزول کے اعتبار سے قرآن حکیم کی غالباً دوسری سورۃ ہے اسمیں حضور اکرم ﷺ کو براہ راست تاکیدی حکم ملتا ہے کہ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا : اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو (۸ : ۷۳) اور حضور اکرم ﷺ کا ذکر الٰہی سے مانوس ہونا تو غار حرا کی خاموش اور تنہائی کی ان راتوں سے ظاہر ہے جو قبل نبوت وہاں گذریں ۔ پھر اس حکم کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ذکر الٰہی اور تصوف کا وہ پودا لگایا اور اس کی ایسی آبیاری فرمائی کہ یہ پودا بڑھکر اخلاص للہیت اطاعت الٰہی اتباع نبوی ﷺ عزیمت استقامت صبر و شکر توکل علی اللہ کیے ثمر میں ایک تناور درخت بن گیا جسکی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں بلکتی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو سکون میسر آیا ۔۔۔ عہد نبوی میں تصوف کی حقیقت ہر فعل میں موجود تھی ۔ گو الگ نام نہیں تھا مگر جب دیگر علوم کی تدوین ہوئی تو اس پاکیزہ فن کی تدوین ہوئی ۔ تو جسطرح تفسیر حدیث فقہ کلام اصول ذخیرہ کے نام سامنے آئے اسی طرح تصوف و سلوک کا نام بھی صفحہ قرطاس پر آ گیا اور اہل اللہ نے مستقل مراکز قائم کر کے تزکیہ و اصلاح باطن کا بیڑا اٹھایا اور اس فریضہ کو ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔

موجودہ دور میں اس ضرورت کا احساس شدید تر ہو گیا ہے کیونکہ انسانیت گمراہی ، بے دینی ، الحاد ، بدعات ، فواحش اور بے عملی کے سیلاب میں بہی جا رہی ہے ۔ قلوب و ذہن پر مادہ پرستی کا غلبہ ہے ۔ محبت الٰہی اور محاسبہ اخروی کا احساس ناپید ہوتا جا رہا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ احساس زیاں بھی جاتا رہا ۔ ان حالات میں ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق پھر سے یاد دلایا جائے ۔ انہیں اپنے خالق اور محسن کائنات ﷺ کیساتھ تعلق قائم کرنے اور اسے پختہ کرنیکا سلیقہ سکھایا جائے ۔ انہیں شریعت مطہرہ کے ظاہری اور باطنی سرمایہ کیطرف دعوت دیجائے ۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ اسی مقصد کے حصول کیلئے شب و روز بتوفیق الٰہی کوشاں ہے ۔ ———

آتا نہ ہو گا راس کسی کو نہ آئے عشق
ہمکو تو تیرے درد نے انساں بنا دیا

جلد ۹ | فروری | ۱۹۸۷ء بمطابق جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ | شمارہ ۶، ۷

ماہنامہ المرشد

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

بیادِ

حضرت العلام مولانا

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ

مدیر مسئول

پروفیسر حافظ عبد الرزاق

ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی

مدیرانِ اعزازی

اکرام اللہ جان قاسمی

ملک عبد الغفار

بدل اشتراک

چندہ سالانہ ــــ ۵۰ روپے

ششماہی ــــ ۳۰ روپے

فی پرچہ ــــ ۵ روپے

سول ایجنٹ

اویسیہ کتب خانہ

۷۲۸/جی ماڈل ٹاؤن ایکسٹنشن سکیم

کیو بلاک۔ لاہور

نویسندگان:۔ قاضی اقبال حسین خوشنویس شاہدرہ ٹاؤن

اس شمارہ میں

۱- اداریہ — مدیر — ۲

۲- افتتاحیہ بیان، صفارہ اکادمی، حضرت المکرم مدظلہ العالی — ۳

۳- ٹی، وی، انٹرویو، بسلسلہ صفارہ اکادمی، حضرت المکرم مدظلہ — ۶

۴- خطاب حضرت المکرم مدظلہ بہ آمد صدر پاکستان — ۸

۵- خطاب صدر پاکستان، بتقریب، صفارہ اکادمی — ۱۱

۶- باتیں انکی خوشبو خوشبو — استاذ المکرمؒ — ۱۷

۷- حضرت شیخ المکرمؒ کی آخری علمی محفل — ۱۹

۸- ارشادات حضرت شیخ المکرمؒ — ۲۸

۹- یادوں کے آئینے میں، ابن محبوب سبحانی — ۳۲

۱۰- شیخ المکرمؒ کی ایمان افروز محفلیں (مختار احمد اعوان) — ۵۵

۱۱- شیخ المکرمؒ کی علمی مجالس - حافظ عبد الرزاق — ۶۱

۱۲- یادِ یارِ مہرباں آید ہمی (مختار اعوان) — ۸۰

۱۳- ملفوظات حضرت المکرمؒ — حافظ عبد الرزاق — ۸۹

۱۴- میرا محسن، میرا مرشد — نسیم ملک — ۹۳

۱۵- کتب رعائتی سیٹ — ۱۰۳

۱۶- اطلاع — ۱۰۴

طابع و ناشر حافظ عبد الرزاق مطبوعہ اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور، مقام اشاعت دار العرفان منارہ ضلع چکوال

اداریہ

فروری کا شمارہ بطور
شیخ المکرمؒ نمبر آپ کے سامنے
ہے ۔ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی عمر بھر کی محنت سے
جو افراد تیار ہوئے ۔ اور جس ادارے کی آپ نے عمر بھر تمنا کی ان
دونوں صورتوں کا تعارف بطور اداریہ پیش ہے ۔ اس میں ۔ موجودہ
شیخ سلسلہ کی تقریر جو صدر مملکت کے سامنے سپاسنامے کے طور پر
آپ نے فرمائی ۔ صدر مملکت کا خطاب ٹیلی ویژن پر شیخ سلسلہ کا انٹرویو
جو صقارہ اکیڈمی کا تعارف ہے اور صدر مملکت کی روانگی کے بعد
شیخ سلسلہ کا احباب سے مختصر خطاب
شامل ہے ۔ امید ہے سلسلہ اور اس
کار گذاری سے کسی حد تک ضرور
تعارف حاصل ہو سکے گا ۔
انشاءاللہ

(مدیر)

سہ روزہ اجتماع و حاضری مرشد آباد :۔ ۲۵/۲/۸۷ بروز بدھ حضرت والس منارہ تشریف لے آویں گے ۔ اسی روز سے سہ روزہ اجتماع کا آغاز ہوگا ۔ جمعرات صبح سے ظہر تک ڈائننگ ہال کا لینٹر ان شاءاللہ ڈالا جائے گا ۔ بعد از نماز ظہر خصوصی بسوں میں مرشد آباد روانگی ہوگی ۔ جہاں رات کا قیام ہوگا ۔ اور صبح بعد از نماز فجر دارالعرفان انہی خصوصی بسوں میں واپسی ہوگی ۔ اور بعد از نماز جمعہ المبارک سہ روزہ اجتماع اختتام پذیر ہوگا ۔

افتتاحیہ بیان

حضرت المکرم مدظلہ العالی

صقارہ اکادمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

آج کی اس ہمہ ہمی اور گہما گہمی میں میں اُس وقت کو دیکھ رہا ہوں جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعمیل ارشاد میں دین برحق اور سچائی کی تائید کے لئے ہمارے شیخ مکرم حضرت مولانا اللہ یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس مبارک کام کی ابتدا کی تھی۔ بعض چیزیں سینوں میں امانت ہوتی ہیں منتقل ہو جائیں تو وراثت بن جاتی ہیں ورنہ آدمی فانی ہے۔ اُس کے ساتھ زیر زمین چلی جاتی ہیں

میری حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بلا کسی تعارف کے پہلی ملاقات جو تھی وہ ایک عجیب انداز میں ہوئی۔ یہاں قریب ہی جلسہ ہو رہا تھا اور شیعہ حضرات اور اُن کے مقابلہ میں اہل سنت حضرات اپنے اپنے چوٹی کے علماء کو بلا رہے تھے اپنے اپنے طور پر۔ شیعہ حضرات کے ہاں مولوی اسماعیل صاحب بہت بڑے فاضل گزرے ہیں اور جہاں تک اُن کے مطالعہ کا اور اُن کی علمی استعداد کا تعلق ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ شیعہ کے پاس شیعہ متقدمین علماء کی نظیر ہے۔ یہ شخص۔ یہ میں نے خود سنا ہے حضرت جی سے بات اور اہل سنت میں اس موضوع پہ حضرت کی ذات گرامی کو بھی حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔

میں بھی چلا گیا کہ وہاں سنیں گے ارشادات علماء کے۔ میں نے پتہ کرایا اہل سنت دوستوں سے کہ آپ نے جن مولوی صاحب کو تکلیف دی ہے کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ تو انہوں نے مجھے ایک لوہار کے گھر کا پتہ بتایا کہ وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں وہ میں حیران تو ہوا کہ بلانے والے جو ہیں وہ تو تکڑے زمیندار ہیں اور انہیں آپ نے وہاں چھوڑ دیا تو چلو خیر ملتے ہیں کیسا عجیب آدمی ہے جو ان کی مہمانداری چھوڑ کر وہاں رکا ہوا ہے تو اُس وقت ظہر کی نماز

سے ابھی کافی وقت دو گھنٹے باقی تھے اور دوپہر کا وقت تھا۔ تو میں اُس گھر میں گیا۔ ایک پرانا سا اُن کا گھر تھا۔ میں نے پوچھا بھئی حضرت مولانا کہاں تشریف رکھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ جی ہم نے اوپر ایک بنایا ہوا ہے۔ کمرہ وہ اُس میں ہیں۔ آپ چھت پر چلے جائیں مکان کچے تھے۔ زینہ کچا تھا۔ اور چھت پر جسے وہ کمرہ کہہ رہے تھے وہ چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس میں میں سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اُس کے ایک کونے میں کیا تقریباً نصف تک زمینداروں کے زرعی جو ہوتے ہیں ہل چلانے کے اوزار لکڑی کے بنے ہوئے جنہیں ہم ہلیں اور پنجالیاں کہتے ہیں اس طرح کی چیز کچھ نئی بننے والی کچھ پرانی مرمت ہونے والی اس طرح کا کاٹھ کباڑ بکھرا ہوا تھا اور تھوڑی سی جگہ خالی کر کے اُس پر ایک چارپائی کھردرے بان سے بُنی ہوئی تھی ایک پرانی سی دری تھی اُس پہ اور ایک پرانا سا تکیہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سادہ سادہ کپڑے تھے اور انہوں نے جو ایک سر پہ پگڑی باندھی ہوئی ہوئی تھی ایک ململ کی پتلی سی تھی ایک پلّو منہ پر ڈالا ہوا اور مزے سے سو رہے تھے۔

تو میں حیران تو ہوا کہ اتنے بڑے معرکے کے لئے انہوں نے بہت چھوٹی کا آدمی بلایا ہے۔ جس کی شہرت سن کر ہم آئے ہیں اور اگر اس آدمی کا علمی ذخیرہ واقعی اتنا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی یہ بے تکلفی اور یہ سادگی ہے۔ تو پھر یہ آدمی واقعی آدمی ہوگا۔ میں واپس اُتر آیا۔

پھر میں مسجد میں حاضر ہوا ظہر کے بعد آپ کا خطاب تھا ایک طالب علم تھا حضرت کے ساتھ پہلے اُس نے چند منٹ بات کی پھر حضرت کا خطاب ہوا دوسری طرف مولوی اسماعیل صاحب خطاب فرما رہے تھے۔ تو مجھے پتہ چلا کہ حضرت نے انہیں کہا ہے کہ اگر وہ اعتراض یا کوئی سوال پیش کریں میں اہل سنت کی طرف سے کل کے جلسہ میں میں اُس کا جواب دے دوں گا۔ اگر وہ محض اپنا مذہب بیان کریں تو ہم اپنا مذہب بیان کریں گے کسی سے جھگڑے کی ضرورت نہیں۔

تو وہ تقریر جو ہم نے سُنی حضرت کی وہ محض اصلاحی تھی نماز روزے اور اتباع شریعت کی تاکید تھی اور کچھ حضرت نے اپنے وہ تجربات بیان کئے کہ اثنائے سفر میں مَیں مسلمانوں کو کس کس حال میں دیکھتا ہوں کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ مجھے یاد ہے۔ آپ نے فرمایا میں ایک گاؤں میں گیا وہاں مجھے رات ٹھہرنا تھا۔ وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ یہ عالم ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ کوئی مسافر ہے گزر رہا ہے مسجد میں وہ مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے کھانے کا انتظام کریں تو میں نے اُن سے کہہ دیا بھئی کھانا تو میں ضرور کھاؤں گا۔ انسان ہوں آخر لیکن مَیں

کسی بے نماز عورت کے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹی نہیں کھاتا۔ فرماتے تھے۔ کہ نمازی سر کو پکڑ کر بیٹھ گئے یہ کیا بات ہے اور ایسی کونسی عورت ہے۔ جو باقاعدگی سے نماز پڑھتی ہو۔ پھر دو چار بیبیوں کے انہوں نے نام لئے پھر کسی اور نے تردید کر دی۔ جی وہ کبھی پڑھ لیتی ہے۔ کبھی مہینہ مہینہ نہیں پڑھتی تو یہ تو کہہ رہے ہیں۔ جو باقاعدہ نماز پڑھتی ہو۔ آخر آپ نے درد سے فرمایا۔ کہ وہ میرے لئے دودھ لے آئے اور کہا کہ اسے پی کر گزارا کر پورے شہر میں اس پورے گاؤں میں باقاعدہ پانچ وقت کی نماز پڑھنے والی کوئی عورت نہیں ملی یہ بات حضرت جی نے اس جلسہ میں بھی مثال کے طور پر ارشاد فرمائی تھی کہ لوگو! تم کہاں پہنچ چکے ہو۔

ایک بات جو بڑے مزے کی حضرت جی نے کی وہاں وہ یہ کہ بھئی میں صوفی بھی ہوں۔ اللہ اللہ بھی کرتا ہوں اور میں بارگاہ نبوت کی حضوری مجھے حاصل ہے اور مجھے عرصہ ہو گیا ہے ایک گوشے میں بیٹھ کے اللہ اللہ کرتے لیکن اب بارگاہ نبوت سے مشائخ عظام سے کہ اس نعمت کو عام کر دو۔ اسے قبر میں لے کر مت آؤ یہ حضور کی برکات ہیں اور انہیں عام کر دو اور ان کی ضرورت ہے قوم کو مسلمانوں کو۔ تو آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی اسے حاصل کرنا چاہیے تو میرے ساتھ آجاؤ چالیس دن میرے پاس رہو یہ الفاظ تھے۔ آپ کے ممکن ہے کوئی لفظ بدل جائیں مفہوم یہی تھا چالیس دن پاس رکھوں گا۔ اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دونگا کھانا اپنے پلّے سے دونگا اللہ اللہ کراؤنگا۔ نماز پڑھنا اللہ اللہ کرنا انشاءاللہ چالیس دن میں میں تجھے دکھا دونگا کہ بارگاہ نبوت کیسی ہے اور حضور کے سامنے پیش کر دوں گا۔

یہ تھی میری وہ ملاقات پہلی جو حضرت جی رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ سے ہوئی اور یہ ایک بات تھی جو جلسے کے بعد مجھے آپ سے جدا نہ کر سکی۔ اور تب سے لے کر آپ کے قبر مبارک میں جانے تک بحمداللہ کبھی جدائی نصیب نہیں ہوئی۔ آئندہ بھی انشاءاللہ ابد الآباد بھی اللہ رفاقت نصیب فرمائے۔

پھر جب یہ سلسلہ چلا تو اس آیت کی بنیاد کی جماعت حضرت جی کے پاس مجھ سے پہلے چند دوست تھے جو اللہ اللہ کرتے تھے لیکن جماعت نہیں تھی نہ ان میں کوئی رابطہ تھا ترتیب تھی نہ ان میں کوئی باقاعدگی تھی نہ اجتماع معین ہوتے تھے۔ جب حضرت گھر ہوتے وہ لوگ کبھی کبھار ملنے آجاتے اور اللہ اللہ کر کے چلے جاتے کوئی تنظیم یا ترتیب یا جماعت نہیں تھی۔ اللہ کا یہ احسان ہے کہ مجھے خدا نے آپ کی جماعت کی پہلی اینٹ بننے کا شرف عطا فرمایا۔ اور مجھے یاد ہے جب میں نے تیسرا آدمی حضرت جی سے روشناس کرایا تھا۔ تو چھ مہینے تک حضرت اسے ٹالتے رہے تھے بیعت نہیں فرماتے

تھے کہ کیا خبر کیسے لوگ ہوں۔ تو یہ سلسلہ چلا وہاں دور میرا ایک ڈیرہ ہے رہائشی زمینوں میں اس پہاڑی کے اوپر نور پور بس سے اتر کر حضرت پیدل وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے وہاں سے ہم نے اجتماعات کی بنیاد رکھی۔ اور یہ تخصیص بھی انہی دنوں حضرت جی نے فرمایا کہ یہ جگہ گرمیوں کے لئے بہت اچھی ہے۔ اس لئے اجتماع گرمیوں میں رکھیں گے تو کئی سال یہ سلسلہ وہاں چلتا رہا پچیس تیس ساتھی ہو گئے تھے وہاں جب تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر اللہ کو جوں جوں منظور ہوا چونکہ بات اللہ کی تھی اللہ کے حکم سے تھی اللہ کے دین کے لئے تھی تو آپ نے دیکھا کہ حضرت جی کی زندگی کا آخری سانس بھی گھر سے باہر راہ خدا میں بسر ہوا اور پھر وہ یہ عظیم امانت وہ آپ کے میرے سپرد کر گئے۔

خدا نے ہمیں توفیق دی اب آپ اُس وقت کو دیکھیں کہ جب ایک ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں تن تنہا ایک فرد دور دراز دیہات کا رہنے والا جس کے پاس کوئی وسائل ذرائع کوئی مادی اسباب کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ اور آج کے وقت کو دیکھیں کہ جہاں اُس شخص نے پتھر رکھ دیا تھا۔ وہاں سربراہ مملکت تک حاضر ہونا اپنی سعادت گردان رہے ہیں بہت بڑا فاصلہ ہے ایک ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے سے ایوان سلطنت تک . . . . .

ٹی وی انٹرویو بسلسلہ صقارہ اکادمی

حضرت المکرم مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حضرات بنیادی طور پر ہم سلاسل تصوف میں سے ایک سلسلہ تصوف کے خادم ہیں یہ سلسلہ جیسا کہ سلاسل اربعہ سے آپ اچھی طرح واقف ہیں ان میں سے سلسلہ نقشبندیہ ہے اور نقشبندیہ میں پھر یہ نقشبندی اویسی ہے

اویسی سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ نسبت وہ جذبہ نصیب ہو جائے جو سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو نبی رحمت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تھا۔ ہم نے تصوف کو گوشے میں چھپنے نہیں دیا۔ بلکہ

اسے میدان میں لائے ہیں چونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نبی رحمت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی برکات ہیں اور انہیں حضور کے ارشادات اور آپ کی تعلیمات کے ساتھ عام ہونا چاہیئے چونکہ حضور کے فیوضات کو ہم دو شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔ ارشادات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور برکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ارشاد آپ کی زبان حق ترجمان سے ارشاد ہوئے اور برکات ان لوگوں کو نصیب ہوئیں جو اپنا سینہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نگاہ پاک کے سامنے لے گئے اور بیک نگاہ ایک شخص صحابی قرار پایا ۔ اسی طرح صحابہ کی صحبت میں بیٹھنے والا تابعی ۔ تبع تابعین یعنی یہ ایک انعکاسی کیفیت تھی جس نے گوشت پوست کے کھال کے حلیے کو تو نہیں بدلا لیکن اندر کے انسان کو یکسر بدل دیا اور جاہل فاضل بن گئے ڈاکو عادل بن گئے اور ایک بکھری ہوئی قوم جو تھی ۔ وہ ایک متفقہ اور متحدہ طاقت بن گئی ۔ اور پھر جو لوگ دنیاوی اغراض کے لئے لڑتے مرتے تھے وہ محض اللہ کے لئے اللہ کے دین کے لئے اور اللہ کی خوشنودی کے لئے ایک مقام پر جمع ہو گئے ۔

تو اس سلسلہ کا ہمارا دوسرا قدم جو ہے وہ صقارہ اکیڈمی ہے ۔ اس میں ہم نے یہ دیکھا کہ ہمارے کالجز کو ہماری یونیورسٹیوں کو ایسے طلباء کی ضرورت ہے جو دین کی خدمت کا جذبہ بھی رکھتے ہوں دین سے واقفیت بھی رکھتے ہوں اور پڑھ ہو کر عملی مسلمان بننا چاہیں اور مسلمانوں کی بحیثیت مذہب اور بحیثیت قوم اور ملت کے خدمت کرنے کے اہل ہوں ۔ اس لحاظ سے ہم بالکل نیا ایک تجربہ کر رہے ہیں کہ ہمارے اکیڈمی کے جتنے بچے ہیں یہ دن کو وہی نصاب جو سکولوں کا ہے ۔ اور سکولوں میں سکولوں کے اساتذہ سے سکول کے طالب علموں کے ساتھ پڑھیں گے سکول سے فارغ ہو کر یہ اکیڈمی میں آجائیں گے پھر اگلی صبح تک ہوسٹل میں انہیں تین طرح سے تربیت دی جاتی ہے ایک تو وہی تعلیم جو سکول یا کالج سے لے کر آتے ہیں اُسے دہرا دیا جاتا ہے ۔ قابل اساتذہ اُن کی رہنمائی کرتے ہیں دوسرے اسلامی تعلیم کے ساتھ اسلام پر عمل عملاً اُس پر عمل بھی اور اُس کے ساتھ پاس بیٹھا کر روحانی تربیت بھی ۔ یعنی وہ کیفیت جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منعکس ہو کر دلوں کو منور کر گئی ۔ بحمد اللہ مشائخ سلسلہ نے عمریں لگا کر سینہ بسینہ ہم تک پہنچایا ہم وہ روشنی بھی ان کے دلوں میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اللہ کریم انہیں کامیاب فرمائے ۔

اُس کے ساتھ اسلامی تعلیمات اور ان کی فزیکل ٹریننگ کی طرف بھی ہم توجہ دیتے ہیں تاکہ یہ جسمانی طور پر بھی صحیح ہوں ۔ ذہنی طور پر بھی صحیح ہوں اور

علم کے میدان میں بھی دین و دنیا دونوں طرح کے علوم ان کی دسترس میں ہوں تاکہ ہم ایسے لوگ پیش کر سکیں جو قوم کے لئے ملک کے لئے دین کے لئے جو بیک وقت محاذ پر بھی کھڑے ہو سکیں اور وہیں آذان بھی کہہ سکیں اور نماز بھی پڑھا سکیں۔ جو بیک وقت مسجد میں تقریر بھی کر سکیں اور وہیں سے اگر کسی کو سالار قافلہ بنا دیا جائے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چرواہے بھیڑیں چھوڑ کر ریوڑ چھوڑ کر اونٹ چرانے والے لوگ اونٹ چھوڑ کر فیضیاب ہونے کے لئے حاضر ہوئے ایمان لائے شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے اور شام کو آنے والے کو صبح حضور نے انچارج بنا کر کسی غزوے پر کسی محاذ پر بھیج دیا تو تاریخ گواہ ہے کہ وہ سارے کامیاب ترین جرنیل تھے۔

ہماری آرزو اور خواہش تو یہ ہے کہ اللہ کریم کرے اس اکیڈمی سے نکلنے والے جہاں نماز باجماعت کا وقت ہو امامت کے فرائض سرانجام دے سکیں جہاں قوم کو سمجھانے کی ضرورت ہو تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ جہاں بندوق اٹھانے کی ضرورت پیش آئے تو کسی سے پیچھے نہ رہیں بلکہ اسلام کے تحفظ کا حق ادا کرنے کے اہل ہوں۔ اللہ کرے یہ مبلغ بھی ہوں بیک وقت جرنیل بھی ہوں۔ سپاہی بھی ہوں خادم بھی ہوں اور امام اور عالم بھی ہوں۔ خدا پاک ہماری یہ خواہش پوری کرے۔ اللہ کریم ہمیں دین کی قوم اور ملک کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خطاب حضرت المکرمؒ

بہ آمد صدر پاکستان

صدر گرامی قدر، مہمانان گرامی حاضرین محفل السلام علیکم

میں سب سے پیشتر اپنے تمام معتقدین اور ذاکرین کی طرف سے صقارہ اکادمی کی طرف سے اور ذاتی طور پر جناب صدر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے دور دراز اس گوشے میں قدم رنجہ فرما کر ہمیں بہت نوازا۔

صدر گرامی قدر۔ ہم یہاں دور افتادہ پہاڑیوں کی چوٹی پر بسنے والے لوگ ابا و جداً پیشے کے لحاظ سے فوجی ہیں اور ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ

اس نے ہمیں یہ سعادت بخشی کہ وطن عزیز عطا فرمایا اور اس نواح کا کوئی خاندان ایسا نہیں ہے۔ جس کا خون پاکستان کی سرحدوں پہ نہ بہا ہو یہ ہم پر اس اللہ کا احسان ہے یہاں ہم بہت دور بیٹھے ہیں لیکن آپ کی نوازشات سے محروم نہیں ہیں۔ ہم آپ کے رفقاء کار کے آپ کی حکومت کے ممنون ہیں۔ ہم صوبائی حکومت اپنی ڈویژن اور ضلعی انتظامیہ کے ممنون ہیں کہ یہاں دور دراز ہمیں پانی بجلی سڑکیں سکول ہسپتال اور اتنی سہولتیں حاصل ہیں جو میں سمجھتا ہوں ہمارے ملکی وسائل سے بھی بڑھ کر ہمیں دی جا رہی ہیں اور ہم ان سب پہ آپ کے احسان مند ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں اللہ کا جس نے ہمیں مخلص قیادت نصیب فرمائی اور حکومت کی برکات کو بھی ہم تک پہنچایا۔ اس کے باوجود اگر ہم کوئی مطالبہ کریں تو وہ ایک ہے بہت بڑا مطالبہ ہے جس کی طرف میں بعد میں آ رہا ہوں۔

اور شاید اکثر احباب حیران ہو رہے ہوں گے کہ اس شخص نے اب تک مطالبے کا نام نہیں لیا یہ اچانک مطالبے پر اُتر آیا لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہو گی انشاءاللہ۔ ہم نے ایک تجربہ شروع کیا ہے وہ یہ ہے سر کہ ہمارے نظریے کے مطابق غیر ملکی حکمرانوں نے مسلمانوں کو دو لائنوں میں بانٹ دیا ایک وہ لوگ جو جدید تعلیم سے آراستہ ہوئے اور ملک کے نظم و نسق میں حصہ دار بنے لیکن انہیں عمداً انگریزی حکومت نے مسجد تک جانے کا موقع نہیں دیا۔ یا اُن میں سے اگر کوئی مسجد میں چلا گیا تو اُس پر انہوں نے واپسی کا دروازہ بند کر دیا پھر وہ لوگ جو مساجد میں گئے۔ اور عملی زندگی سے بیگانہ ہو گئے اُس طرف انہوں نے خوب نبھایا۔ ہمیں بڑے گنتی کے نام ملتے ہیں علماء کرام میں جنہوں نے مسجد میں بیٹھ کر فیلڈ میں بھی اپنا حصہ ادا کیا اور بہت کام کیا۔ ہم اُن کے ممنون ہیں کہ انہوں نے تنکوں پر بسر کر لو لیے یہ بسر کر کے اللہ اللہ کے رسول کی باتیں نسلاً بعد نسلاً ہم تک پہنچائیں۔

جناب صدر! ہم نے اس سلسلہ عالیہ میں ابتداء ہی سے تعلیم بالغان کا نصاب تو رائج کر رکھا ہے اور جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں آپ کے استقبال کے لئے یہاں گلگت سے کراچی تک اور پشاور سے کوئٹہ تک حضرات یہاں حاضر ہیں یہ سب لوگ ہیں دوران سال جن کی ہم تربیت کرتے ہیں اور ہماری تربیت وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے قوم کو عطا فرمائی۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم جس بات کو حق سمجھیں اور جو خدا سے ثابت ہو ہم اُس کو اپنائیں لیکن کسی دوسرے پر ہم مسلط نہیں کرتے ہم دوسرے کو حق دیتے ہیں کہ جس بات کو وہ صحیح سمجھتا ہے اُس کو اختیار کرے۔

کیونکہ اللہ کریم نے ہر انسان کو دو حق دیئے ہیں صدر محترم ایک زندہ رہنے کا اللہ کے حکم کے سوا کوئی کسی کی جان اور زندگی لینے کا مجاز نہیں ہے ہاں شرعاً کوئی واجب القتل قرار پائے تو یہ اللہ کا حکم ہے اور عقیدہ اختیار کرنے کا حق میرے رب نے دیا ہے اللہ نے جبراً کسی سے کوئی عقیدہ نہیں منوایا اگر خدا زبردستی منواتا نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی کو پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتا ہوا کا ایک جھونکا نہ دیتا غذا کا ایک دانہ نہ دیتا۔ جب اللہ نے اختیار دے دیا ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس بات پہ کسی سے جھگڑا کرنا غلط ہے۔ اور جن حضرات کی یہاں سے تربیت ہوئی ہے یہ بحمد اللہ قوم اور ملک میں امن کے داعی ہیں کہیں آپ ان کو کسی فساد میں ملوث نہیں پائیں گے۔

اس کے ساتھ ہم نے جو یہ کوشش شروع کی ہے وہ یہ ہے کہ ہم بچوں کو سکول میں پڑھائیں کالج میں پڑھائیں اور جو وقت ان کا کالج اور سکول سے بچتا ہے وہ مسجد میں لگائیں ہم نے انہیں ہاسٹل میں یہاں ہی رکھا ہے اور ان کے اساتذہ کی تقرری یہاں کی ہے قابل اساتذہ انشاء اللہ ان کے لئے فراہم کئے بھی ہیں اور مزید کریں گے تاکہ جو تربیت سکول کالج یونیورسٹی میں ہوتی ہے۔ وہ انسان کے اندر ایک خاص کیرکٹر ایک خاص کیفیت پیدا کرتی ہے۔ ہم بچوں کو اسی سے بیگانہ نہیں کرنا چاہتے اور جو جذبہ جو خلوص جو دیانت مسجد دیتی ہے ہم چاہتے ہیں بچوں کو وہ بھی دی جائے ہماری آرزو یہ ہے کہ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیز میں ایسے طلباء بھر جائیں۔ جن کے دل عقیدہ توحید عشق رسول سے معمور ہوں اور جو قوم و ملک کے حقیقی خادم سچے حب الوطن اور خالص اور کھرے مسلمان ہوں۔

صدر محترم جو بات میں نے مطالبے کی کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ میں اگرچہ زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں جہاں تک میں نے تاریخ کو دیکھا ہے اس برصغیر کی فضا میں ایوان سلطنت سے ابھرنے والی آواز دین اور اسلام کے حق میں جو خاموش ہوئی وہ اورنگزیب عالمگیر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تھی اس شخص نے تخت سلطنت پر بیٹھ کر قرآن کریم کی کتابت کی تصحیح کی مسائل کو جمع کیا اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دی اور کفر کے خلاف جہاد کر کے ملک کو مذہب کو تحفظ دیا۔ ساڑھے چار سو سال بعد اللہ نے یہ شرف آپ کے حصے میں کر دیا ہے

ہم نے ساڑھے چار صدیوں بعد ایوان سلطنت سے اذان آپ کی آواز سے سنی مطالبہ صرف یہ تھا کہ اس اکیڈمی کا افتتاح آپ کریں جو آپ نے پورا کر دیا اس کے علاوہ ہمارا حق ہم تک پہنچ رہا ہے۔ ہم آپ کے ممنون ہیں۔ اور مانگنے کے لئے رب العالمین کی بارگاہ کافی ہے۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خطاب صدر پاکستان

بتقریب صنفارہ اکادمی

خطاب جناب صدر مملکت پاکستان جنرل محمد ضیا الحق صاحب دار العرفان ۱۹ جنوری ۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزت مآب جناب مولانا محمد اکرم صاحب، محترم جناب ممبران قومی اسمبلی

و

حاضرین کرام السلام علیکم

اب سے کچھ عرصہ پہلے جناب مولانا محمد اکرم صاحب سے اچانک راولپنڈی میں میری اچانک ملاقات ہوئی۔ حضرت نے اس اکیڈمی کا ذکر کیا میں نے آن کی خدمت میں گذارش کی کہ میں تو ایک چھوٹا سا ادنیٰ سا آدمی ہوں اس سعادت کے لئے بھاری بھر کم دینی شخصیت کو بلائیے مولانا نے فرمایا کہ نہیں۔ ہمیں آپ کی ضرورت ہے میں نے وعدہ کیا کہ میں ضرور حاضر ہونگا۔ لہٰذا اس وعدے کی تکمیل میں تھوڑی سی تاخیر ضرور ہوئی ہے۔ لیکن میں آج یہاں حاضر ہوں۔ اور یہ میری سعادت ہے کہ اس نیک کام کے اندر مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ تھوڑا سا حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اگر اور نہیں تو کم از کم اس کی آج زیارت ہو گئی مولانا سے ملاقات ہو گئی۔ اس اکیڈمی اس مدرسے اس ادارے کے معلمین اور اساتذہ اور طلباء سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا میرے خیال میں یہ بھی باعث ثواب ہے۔

مجھے آج آپ کی اس پُروقار تقریب میں شریک ہو کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ جس خلوص لگن اور جذبے کے ساتھ اس ادارے نے دین کی خدمت کا کام شروع کیا ہے۔ اسے میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں میں ضرور برکت ڈالیں گے کیونکہ جو کام نیک نیتی سے کیا جائے اللہ تعالیٰ اس پر ضرور کامیابی عطا فرماتا ہے اس کے علاوہ آپ جیسے نیک لوگوں کا لگایا

ہوا یہ پودا انشاء اللہ ایک دن تناور درخت بنے گا۔ جس کی ٹھنڈی چھاؤں تلے بہت سے لوگوں کو عافیت ملے گی۔ میرا ایمان ہے اور میرا ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ مسلمانوں کے لئے دین اور دنیا دونوں کی کامیابی کی کنجی اتباع قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہی وہ مضبوط رسی ہے جس کی طرف اللہ رب کریم کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ اور جس کے تھامنے سے ہم برائی سے بچ سکتے ہیں اور جس پہ چڑھ کر ہم دینی اور آخروی فلاح پا سکتے ہیں اللہ تعالٰے ہمیں اس راہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

برصغیر میں اسلام کی داستان ولولہ انگیز بھی ہے اور یاس انگیز بھی۔ ولولہ انگیز اسی لئے کہ مسلمانوں کے پاس دین اسلام کا سرچشمہ۔ سرچشمہ اخوت نہ ہوتا تو کبھی غیر اسلامی طاقتوں کا مقابلہ کر کے آزادی کی نعمت سے فیض یاب نہ ہو پاتے اور مایوس کن اس وجہ سے کہ طویل عہد غلامی نے ہم میں سے اکثر و بیشتر افراد غیر ملکی اور غیر اسلامی طرز زندگی کو شعار بنا بیٹھے اور اسلامی ناموں کے مالک ہوتے کے باوجود اسلامی اقدار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

یہاں میں جب برصغیر کی دو اڑھائی سو سال تاریخ پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے جہاں شاہ اسمٰعیل شہید شاہ ولی اللہ مولانا شبیر احمد عثمانی سید سلیمانی ندوی جیسے روشنی کے مینار نظر آتے ہیں جنہوں نے شمع اسلام کو فروزاں رکھا اور مسلمانان برصغیر کو ولولہ تازہ سے روشناس کرایا۔ وہاں مجھے کئی ایسے علماء بھی دکھائی دیتے ہیں۔ جو سیاسی اور عملی زندگی کو لعب و لہو سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کش ہو کر مدرسوں خانقاہوں اور سجادوں میں رہے گوشہ نشینی میں عبادت گزاری اور ذاتی زہد و تقویٰ کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئے اس طرز زندگی کا ایک اثر یہ ہوا کہ عوام الناس جو خود زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوتے ان علماء کرام کی تقلید میں دین کو دنیا سے الگ سمجھنے لگے۔ جبکہ دوسرا طبقہ دین کو قصہ پارینہ اور خانقاہوں کی رونق سمجھ کر مادی ترقی کی دوڑ میں شامل ہوا اور یوں ہمارے ہاں دین اور دنیا کو دو خانوں میں بانٹ دیا گیا اور نہ صرف بانٹ دیا گیا بلکہ بانٹ دینے کی روایت بھی پڑی جو میرے خیال میں اسلام کے لئے خوش آئند نہ تھی۔

چونکہ اسلام نہ تو دین اور دنیا میں تفریق کرتا ہے اور نہ علوم دنیا اور علوم سائنس میں یہ نہ پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں تمیز کرتا ہے اور نہ سیاست اور عبادت میں یہ ایک کامل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اور انسان کی مجموعی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی تلقین کرتا ہے۔

اور میرے خیال میں آج ہمیں جو مسائل درپیش ہیں اس میں سے ایک اہم مسئلہ اس ہمہ پہلو ضابطہ حیات کو زندگی کے ہر پہلو پر نافذ کرنا ہے جس کے لئے پچھلے چند سالوں سے اور پچھلے دو سالوں سے موجودہ حکومت ٹھوس اور پُر خلوص کوشش کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی نصیب فرمائے۔

جناب حضرت مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کی تقریر سے پہلے اس اکیڈمی کے متعلق جناب کرنل صاحب کچھ ارشادات فرما رہے تھے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ عہد غلامی کے اثرات آج تک ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور دیگر شعبوں کی طرح تعلیم میں بھی مشرق و مغرب کا تضاد پایا جاتا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ مجھ سے اس بات سے اتفاق کریں گے کہ دو سالہ غلامی کے آثار دو چار عشروں میں زائل نہیں کئے جا سکتے اگر آج کے حالات کا قیام پاکستان کے حالات کا مقابلہ کریں تو ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اب غالباً حالات کافی مختلف ہیں۔ جہاں غیر ملکی عادات اطوار کو ترک کیا جا رہا ہے وہاں اسلامی روایتوں کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ مسجدیں اور مدرسے بن رہے ہیں۔ بن جائیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زیادہ لیا جا رہا ہے۔ اور میرے ذاتی خیال میں ہمارا رُخ خاص طور پر پچھلے چند سالوں میں میرے خیال کے مطابق صحیح سمت کی طرف جا رہا ہے انشاء اللہ صحیح سمت جائے گا۔

اس سیاسی تاریخ اور اخلاقی پس منظر میں مَیں سمجھتا ہوں کہ صقارہ اکیڈمی صحیح خطوط پر قائم کی جا رہی ہے۔ یعنی اس میں دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں بانٹنے کے بجائے شانہ بشانہ چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور میرے خیال میں یہی منشا اسلام ہے۔ کیونکہ اسلام دینی اور دنیوی علوم کا باہمی امتزاج چاہتا ہے اسلام روحانی اور مادی ترقی کو باہم متصادم سمجھنے کے بجائے انہیں ہم آہنگ دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلام انسان کو اگلے جہان کے راستوں پہ قدردان بننے کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں بھی احکام شریعت کے مطابق آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ ہمارے بچے اور بچیاں جو دینی درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہوں وہ سائنس اور ٹیکنالوجی جیسے جدید علوم سے بھی بہرہ ور ہوں اور ہمارے نونہال نہ صرف درسگاہوں سے ڈگریاں لے کر نکلیں وہ اسلامی شعائر اور اسلامی اقدار کا قابل ستائش نمونہ بھی ہوں۔ یہی وہ ایک نقطہ ہے جو ہمارے نظام تعلیم کا محور ہونا چاہئیے۔ اور مجھے خوشی ہے کہ صقارہ اکیڈمی کے قیام کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما ہے۔

مَیں اس کے بانیوں معاونوں اور سرپرستوں

کو مبارک باد دیتا ہوں اور اس کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔

اس اکادمی کو اپنی مدد آپ کے تحت جس کامیابی سے قائم کیا گیا ہے۔ وہ قابل تحسین ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ آپ کا یہ جذبہ آپکی یہ کاوش آپ کی یہ ہمت اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور قابل قبول ہوگی آپ کو اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں سرخروئی حاصل ہوگی۔ انشاء اللہ!

مولانا محمد اکرم صاحب نے کچھ ارشادات فرمائے ہیں میں ان کا بے حد ممنون ہوں میں گنہگار بندہ ہوں ایک ادنیٰ سا خادم ہوں پاکستان کا میں اس تعریف کے قابل نہیں ہوں جو کہ مولانا نے میرے متعلق کہی۔ لیکن یہ مولانا جیسے بزرگوں اللہ تعالیٰ کے بندوں اور میرے والدین اور رفقاء کا ایجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دین کی خدمت کا بھی جذبہ دیا۔ اس میں میں اگر کامیاب ہو گیا ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو یہ میری ذات کی وجہ سے ہے۔

میں مولانا کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے جن الفاظ کے ساتھ مجھے منسلک کیا ہے۔ جو بات میری سمجھ میں آتی ہے اس خطہ میں جو آبادی کے لحاظ سے زیادہ گنجان اور آباد تو نہیں کہہ سکتے لیکن یہ بڑا مردم خیز خطہ ہے اس خطے میں بڑے بڑے عالم دین اور بڑے بڑے جرأت مند مجاہدین پیدا کئے ہیں۔ اور آج اسی چھوٹی سی محفل کے اندر اور اس پنڈال کے اندر جہاں دین کے لئے مولانا محمد اکرم صاحب یہاں وہاں ہماری قومی اسمبلی کے ماہرین یہاں تشریف فرما ہیں۔ جناب ملک مجید صاحب راجہ افسر صاحب میجر صفدر صاحب وہاں ڈاکٹر انصاری صاحب تشریف فرما ہیں۔ بریگیڈیئر گلستان صاحب یہاں تشریف فرما ہیں میں ہر شخص کا نام نہیں لے سکتا ہوں۔ لیکن اس محفل کے اندر معلوم ہوتا ہے کہ اس خطے کا تعلق کن لوگوں سے ہے۔ کن لوگوں کی نظریں ہیں۔ اس خطے کی طرف اور اگر اس لحاظ سے حکومت پاکستان نے حکومت پنجاب نے اگر آپ کو چند ایک سہولتیں مہیا کی ہیں تو آپ یقین جانیئے کہ دس سال کے میرے تجربے کے اندر پہلی دفعہ جناب مولانا محمد اکرم صاحب سے سنا ہے۔ جن الفاظ سے انہوں نے حکومت کی اور انتظامیہ کی کچھ کوششوں کی جن کے ذریعے کچھ سہولتیں عطا کی گئی ہیں میں نے ان الفاظ سے جس طریقے سے شکریہ ادا کیا گیا ہے کہیں نہیں سنے۔ یہ ایسے لوگوں کی نشانی ہے یہ ایسے شخص کی نشانی ہے جو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ کار پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ حضرت مولانا اس خصوصیت کو نہ صرف اپنے تک رکھتے ہیں۔ بلکہ اس

خصوصیت کو ہم جیسے گنہگاروں تک بھی پہنچانے کی بھی اہلیت رکھتے ہیں۔

چونکہ میں اس سے پیشتر ایک تقریب سے خطاب کر چکا ہوں اور تقریب تھی شہری آبادی کے اندر ترقیاتی کاموں کو اور وہاں کی آبادی کو روکنے کیلئے کیا اقدام کئے جائیں۔ میں اس چیز پر توجہ دیتا ہوں آج مجھے اس کا نظارہ دیکھنے میں آیا۔ میں نے جس چیز کی طرف توجہ دی میں نے کہا دیکھئے ہمارے ہاں دینی تعلیم کی طرف توجہ ضرور دی جا رہی ہے۔ دینی رجحانات کا بھی کچھ حصہ نظر آ رہا ہے لیکن ہم جو مادی دور کے اندر ہم جو پڑھ گئے ہیں اُس کے اندر ہم نے مسلمانوں کے ایک خاص ایک اہم فریضے کو ہم نے ترک کر دیا ہے اور وہ ہے قناعت۔ اُس قناعت کی ایک جھلک آج مجھے اس صفارہ اکیڈمی میں نظر آ رہی ہے۔ مولانا کے خطاب میں نظر آ رہی ہے۔ اس تقریب کے اندر نظر آ رہی ہے اور اگر انسان کے اندر قناعت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو۔ تو میرے خیال میں دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کی گرفت سے باہر ہو۔

اس اکیڈمی کا جو بنیادی نظریہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو فروغ دے اور ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم ایسے اداروں کی خدمت کر کے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکیں بلکہ عوام کی کچھ خدمت بھی کر سکیں۔

دوسری چیز جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں گا وہ یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد وہ صرف ڈگریاں حاصل کرنا نہیں۔ جیسا کہ صفارہ اکیڈمی کا یہ نظریہ ہے کہ تعلیم سے انسان کی نہ صرف بصیرت بلکہ اُس کے اندر کے انسان کو جگایا جائے۔ اور اُس علم سے طریقہ کار سے واقف کرایا جائے جس کے ذریعے سے نہ صرف انسان انسان کو پہچان سکے بلکہ اپنے اندر کا انسان پہچان سکے جس شخص نے اپنے اندر کا انسان پہچان لیا ہے اُس نے دنیا کے اندر اپنے آپ کو پہچان لیا اور صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔

ایک نقطہ اور جس کی میں تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں صفارہ اکیڈمی کی تعریف جناب ملک مجید صاحب کی زبانی راستے میں آتے ہوئے سنی۔ راجہ افسر صاحب نے فرمایا انہوں نے کہا کہ بڑا اچھا ادارہ ہے۔ لیکن جب میں نے صفارہ اکیڈمی کا کتابچہ جس کے اندر ساری تفصیلات دی ہیں جب میں اُس کا مطالعہ کر رہا تھا تو مجھے ایک چیز بڑی خوش آیند نظر آئی اور اُس کا ذکر جناب مولانا محمد اکرم صاحب نے اپنے خطاب میں کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کی اور یہ آجکل کے زمانے کے اندر اس میں ہے کہ اپنے مسلک کو بڑی مضبوطی کے ساتھ پکڑتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم سے یہ چیز موزوں نہیں ہوتی کہ ہم دوسرے مسلمانوں کی طرف نکتہ چینی کریں۔ اور اس کا صحیح منظر نہ صرف مولانا نے اپنے خطاب کے

اندر مختلف فرمایا بلکہ اگر آپ کتابچے کا مطالعہ کریں تو پاکستان میں آج اس زمانے کے اندر مختلف مسالک کے علماء اور وہ تعلیم کے ماہرین جو ہیں وہ تمام کے تمام اس اکیڈمی سے منسلک ہیں یہ ایک ایسا گلدستہ مولانا نے چنا ہے جس کی خوشبو انشاءاللہ پورے کے پورے پاکستان کو اجاگر کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اکیڈمی کو ترقی عطا فرمائے اور صحیح معنوں میں اسے تعلیمی ادارہ بنائے۔

راولپنڈی میں مولانا نے جب مجھے یہاں آنے کی دعوت دی میں نے اُن سے کہا۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں اسکا وہاں اعلان کر سکوں۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں آپ آیئے تشریف لائیے اور دیکھئے ایک ادارہ جس کی طرف ہم کوشاں ہیں اگر وہ قابل تحسین ہے تو آپ اُس میں ہاتھ بٹایئے تاکہ اس کا نام اجاگر ہو لوگوں کو اس سے متعارف کیا جائے تاکہ اس چشمے سے اور بہت سے لوگ فیضیاب ہوں۔ اگر میں اس تجربے کے اندر کامیاب ہو گیا ہوں تو میرے خیال میں میں نے اپنا ذریعہ نجات حاصل کر لیا ہے۔ میں مولانا سے گذارش کروں گا جہاں آپ کے ادارے کے بہت سے اور کارکن ہیں آپ کے خدمت گزار ہیں وہاں مجھے بھی ادنیٰ سا خادم سمجھئے۔

اینٹ پتھر کی ضرورت ہو تو میں اُس کے لئے خود آ کر لگا سکوں یا اُس کے لئے تھوڑی سی کوشش کر سکوں تاکہ یہ اکیڈمی جو ہے یہ صحیح معنوں میں ایک ایسا ادارہ بنے جو کہ صحیح معنوں میں تعلیم کا سرچشمہ ہو یہاں اسلامی اقدار کو اجاگر کیا جائے یہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بچے جو ہیں وہ صرف دنیا کے پیچھے نہ پھریں بلکہ دنیا اُن کے پیچھے پھرے کہ یہ صقارہ اکیڈمی کے طالب علم ہیں۔

میں ان الفاظ کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ میں مولانا کا دوبارہ مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے موقع دیا اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو دن دگنی اور رات چگنی ترقی نصیب فرمائے اور جو لوگ اس سے منسلک ہیں اللہ تعالیٰ انکی اس خدمت کو قبول فرمائے آمین۔ پاکستان پائندہ باد

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

استاذ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

(ترتیب : محمد اسلم عادل - ایم اے ایم ایڈ)

فرمایا ——— بعض سادہ لوح دریافت کرتے ہیں کہ اگر پیر فوت ہو جاتے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے۔؟ خدا کے بندو! پہلے اتنا تو غور کرو کہ بیعت بجائے خود مقصد نہیں بلکہ ایک مقصد کے حصول کے لئے ایک ذریعہ ہے۔ مقصد ہے اللہ کی رضا حاصل کرنا۔ اور بیعت ذریعہ ہے۔ تاکہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کر کے یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرتا رہے۔ اور ترقی کرتا چلا جائے۔ اگر پیر کے فوت ہو جانے پر آدمی کوئی دوسرا استاد تلاش نہ کرے گا تو ظاہر ہے اول تو اپنا نقصان کرے گا اور اس سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے پیشِ نظر رضائے الٰہی کا حصول نہیں بلکہ شخصیت پرستی کا شکار ہے۔

پھر یہ سوچو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا صحابہ کرامؓ نے خلفاء راشدین کی بیعت نہیں کی تھی۔ پھر یہ سوال کیوں پیدا ہوا کہ پیر کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری جگہ بیعت جائز ہے یا نہیں۔

فرمایا ——— شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے راہِ آخرت کے مسافر! تو ہر وقت رہبر کے ساتھ رہ یہاں تک کہ وہ تجھ کو پڑاؤ پر پہنچا دے۔ راستہ بھر اس کا خادم بنا رہ۔ اس کے ساتھ حسنِ ادب کا برتاؤ رکھ۔ اس کی راہ سے باہر مت ہو۔ کہ وہ تجھ کو واقف کار بنا دے گا۔ اور خدا کے قریب پہنچا دے گا۔ اس کے بعد تیری شرافت اور صداقت دیکھ لینے کے بعد تجھے تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گا۔ اور تجھے آپؐ کے حوالے کر دے گا۔ یہ چیز بناوٹ اور ہوس سے

حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے ہوتی ہے جو سینوں میں جگہ پایا کرتی ہے اور عمل اس کی تصدیق کیا کرتا ہے۔"

فرمایا ——— حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یاد رکھو فقیر فنا فی اللہ صاحبِ حضور ہوتا ہے وحدانیتِ الٰہی میں غرق کرنا اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پہنچانا اس کے لئے مشکل نہیں۔ بلکہ آسان ہے۔ اور صرف ذکر و فکر اور زہد و تقویٰ سے یہ بات حاصل ہونا دشوار ہے۔ کیونکہ مرشد کامل و مکمل طالب اللہ کا ہاتھ پکڑ کر منزلِ مقصود تک پہنچا سکتا ہے جس شخص کو یہ قدرت نہ ہو اسے کامل مکمل کہنا غلط ہے بلکہ وہ راہزن ہے۔"

فرمایا ——— تصوف اور تزکیۂ باطن میں شیخ اور سالک کا تعلق بڑا نازک ہے۔ ظاہری علوم میں معاملہ اور قسم کا ہے۔ استاد سے نفرت اور اس کی مخالفت کے باوجود آدمی ظاہری علم حاصل کر سکتا ہے۔ مگر اس راہ میں شیخ کامل میسر آجائے تو اس کی مخالفت مانعِ فیض ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔

فرمایا ——— مراقبۂ احدیت کا مفہوم اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں تمام عالم معدوم ہے۔

پناہ بلندیٔ و پستی توئی ÷ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

فرمایا ——— مراقبۂ معیت میں یہ سوچ کہ ہر جگہ ذات باری تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔ صرف باعتبار علم کے نہیں بلکہ باعتبار ذات کے میرے ساتھ ہے اس کی ہیبت اپنے قلب پر طاری رکھے۔

فرمایا ——— مراقبۂ اقربیت میں قرب ذات کے وجود کا خیال رکھے کہ وہ باعتبار ذات کے قریب اور باعتبار وجدان کے بعید ہے۔

فرمایا ——— حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف و سلوک محض شجرہ خوانی، ٹوپی اوڑھنے خرقہ پہننے، لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھنے، عرس منانے، قوالی سننے، وجد و تواجد اور ناچنے کودنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے حصول کے لئے دوسری شرطیں ہیں۔ جن میں سرِ فہرست اتباعِ شریعت ہے۔ جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ توحید کا عقیدہ دل میں راسخ ہو۔ اور اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کا کامل درجے کا ہو۔ کہ اس میں بدعت کا مطلق دخل نہ ہو۔ شرک و بدعت کی ہوا بھی مانعِ فیض ہے۔ پھر شیخِ کامل سے تعلق اور اس سے دلی عقیدت ضروری ہے اس کی مخالفت مانعِ فیض ہے۔ اس پر قصہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ شاہد ہے۔ پھر پورے خلوص سے ذکرِ الٰہی کی کثرت اور مجاہدہ و ریاضت۔ تصوف تعلق مع اللہ اور اخذِ حقائق کا نام ہے اور اس کا حصول اسے اخلاص مع اللہ پر منحصر ہے جس میں مخلوق سے کسی قسم کی امید کی

آمیزش نہ ہو۔

فرمایا ——— "ذکرالٰہی کے لئے ترک دُنیا ضروری نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ غیر اللہ کی محبت دل میں گھسنے نہ پائے۔ ارشادِ باری ہے۔

" گویا اللہ کے بندوں کو تجارت اور بیع وشرا اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی "

حضرت شیخ المکرم رح کی آخری علمی محفل

از:- حافظ عبدالرزاق

حضرت شیخ المکرم کی ایک طویل اور آخری علمی محفل جو 23 $\frac{11}{83}$ کو سم الٰہی منگ ضلع مانسہرہ کے مقام پر علماء کرام اور عوام کے ملے جُلے مجمع کی صورت میں منعقد ہوئی۔ پنجابی زبان میں ہے جس کا اردو ترجمہ نظرِ قارئین کیا جاتا ہے۔

" ایک صاحب نے سوال کیا حضرت! یہ جو یار لوگوں نے جسم مثالی کا ایک شاخسانہ چھوڑا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ ؟

فرمایا۔ جسم مثالی کے سلسلے میں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ایسے دوررس نتائج ہیں کہ اعمال کو تو چھوڑئیے نفس ایمان بھی اس طوفان کی نذر ہوجاتا ہے، سب سے پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ رسالت و نبوّت روح کی صفت ہے یا جسم کی یا روح مع الجسد کی ؟ یہ کہتے ہیں کہ یہ صفت روح کی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ان کے قول کے مطابق روح جسم مثالی میں چلی گئی تو جسد محمد رسول اللہ تو خالی رہ گیا۔ مگر کس سے خالی رہا۔ ذرا کلیجہ تھام کر جواب دیجیے۔ خالی ہوگیا نبوت سے رسالت یعنی معاذ اللہ ایمان سے بھی خالی ہوگیا۔

یعنی جو محمد رسول اللہ جسد مع الروح خاتم النبیینؐ تھے وہ خاتم النبیینؐ نہ رہے بلکہ نبوّت و رسالت جسم

مثالی میں منتقل ہوگئی۔ پھر یہ کہ جسم مثالی تو جسد محمد رسول اللہؐ سے افضل ہوگیا بلکہ افضل کے مقابلے میں مفضول کی بھی کچھ حیثیت تو ہوتی ہے۔ ان کے قول کے مطابق جسد محمد رسول اللہ فضول ہی ہوا۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ لوگ یہ نو ایجاد عقیدہ اپنی ذات تک محدود نہیں رکھتے بلکہ فتوای کی صورت میں یہ تکرار کرتے ہیں کہ جو شخص حیات انبیاء کا عقیدہ رکھتا ہے وہ مشرک ہے۔ کافر ہے۔ حالانکہ علماء ربانی نے اس قسم کا فتویٰ دینے سے پرہیز کرنے کے لئے بڑی تاکید کی ہے۔ یہ کام ایسے عالم کا ہے جو فقہ میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور خوب چھان بین کرنے کے بعد اگر ضروری سمجھے تو کسی کے متعلق کفر کا فتویٰ دے۔ مگر یہ لوگ تو ایسے جری ہیں کہ ان کا مبلغ علم خواہ اردو کی چند کتابوں یا رسائل تک ہی ہو کفر کا فتویٰ دینے کے لئے ان کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے۔

ہمارے متقدمین فقہائے کرام نے عقائد، عبادات معاملات اور اخلاق یعنی دین کے ہر شعبے میں تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں یہ لوگ بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ ھُمْ رِجَالٌ وَّنَحْنُ رِجَالٌ۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ قرآن فہمی میں ہم ان لوگوں سے کہیں آگے ہیں۔ یعنی اہل حق اہل ورع وتقویٰ علماء کرام نے قرآن سمجھا ہی نہیں اور یہ لوگ جو زکوٰۃ کے ٹکڑوں اور قربانی کی کھالوں کی آمدنی پر پلے بڑھے ہیں ان کو زیادہ بصیرت حاصل ہوگئی ہے۔ اور دو لاکھ سے زائد تفسیر کرا قرآن حکیم کی درخور اعتناء ہی نہیں اسی ماڈرن قرآن فہمی کے کرشمے ہیں کہ ملک میں جو زکوٰۃ اور عشر کا قانون لاگو ہوا ہے اس کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ لادینی سیاست کے تقاضے خواہ کچھ ہوں احکام الٰہی کو سیاست کی بھینٹ چڑھا دینا مناسب نہیں۔

جزا و سزا کے سلسلے میں بھی یہ لوگ گل فشانیاں کرتے ہیں۔ جزا و سزا کے لئے یہ شرط نہیں کہ جسم کی یہی ہیئت رہے۔ جسم خواہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے متاثر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں دیکھ لیجئے مختلف پہاڑوں پر پرندوں کے مختلف اجزا رکھوا کے حکم دیا۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ۔ اب انہیں بلائیے یَأْتِیْنَکَ سَعْیًا۔ یعنی جس کو آپ بلائیں گے اس کے اجزاء جہاں بھی ہوں گے آپ کی آواز سن کر دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ مگر یہ لوگ جو عقیدہ تیار کئے بیٹھے ہیں یہ تو ہندوؤں کا عقیدہ ہے نئے نئے عقیدے ایجاد کر لینا اسلام نہیں۔ اسلام تو وہ ہے جو نبی کریمؐ نے اللہ کریم سے سیکھا۔ حضور اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کو سکھایا۔ ان سے تابعین نے سیکھا۔ ان سے تبع تابعین نے سیکھا۔ یوں نسلاً بعد نسل حضور اکرمؐ سے نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا۔ اگر خیر القرون سے اعتماد اٹھ جائے تو اسلام نہیں ملے گا ہاں اسلام کے لیبل کے ساتھ کفر کی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں۔

میں مشورہ کے طور پر کہتا ہوں کہ ہر مولوی کے

پاس چار تفسیریں ضرور ہونی چاہئیں - ابن کثیر، ابو سعود، تفسیر کبیر اور روح المعانی - ان حضرات نے دین کا کوئی پہلو کوئی شعبہ تشنہ نہیں چھوڑا

سوال :- یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا - اس سے کوئی شخص حتیٰ کہ نبی بھی مستثنیٰ نہیں - پھر حیات النبیؐ کی ترکیب کہاں سے آگئی -

جواب :- كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

ہی پر غور کرنے سے ایک حقیقت سامنے آتی ہے جس سے موت و حیات سمجھنا آسان ہو جاتا ہے - اس آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک ذائق دوسرا مذوق - ایک چکھنے والا دوسرا جسے چکھا گیا - نفس ذائق ہے موت مذوق ہے - اب آپ بتائیں کہ جب آپ کسی چیز کو چکھتے ہیں تو کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوتا کہ چکھنے والا باقی رہتا ہے اور وہ چیز معدوم ہو جاتی ہے جس کو چکھا گیا - یعنی ذائق باقی رہتا ہے مذوق فنا ہو جاتا ہے - اسی اصول کو اس آیت کے مفہوم پر منطبق کر کے دیکھئے - صاف ظاہر ہے کہ ذائق یعنی نفس کو فنا نہیں مذوق یعنی موت کو آخر فنا ہونا ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کو تو ہر شخص زود یا بدیر چھوڑ ہی دیتا ہے - مگر اس چھوڑ دینے کو فنا کہیں تو قرآن مجید کی وہ سینکڑوں آیتیں جو برزخی زندگی پر دال ہیں انہیں قرآن کریم سے آپ کیا کھرچ دیں گے - برزخی زندگی میں اختلافِ امت کا نشان ہی نہیں ملتا - قرآن مجید کی آیات، متواتر روایات اور اتفاقِ امت اس حقیقت پر شاہد ہیں - اس اختلاف کی ابتدا ۴۴۵ھ میں ہوئی - اسلام کی ابتدائی ساڑھے چار صدیوں میں برزخی زندگی میں کسی اختلاف کا نشان نہیں ملتا - سلجوقی وزیر بکندی نے ۴۴۵ھ میں برزخی زندگی کے انکار کی مہم چلائی - اس کے بعد کرامیہ نے اس کو اپنا لیا - اس دور میں بھی علامہ بیہقی اور علامہ قشیری نے اس کی خوب تردید کی - پھر امام ابوالحسن اشعریؒ نے کرامیہ کے ناک میں دم کر دیا - امام اشعریؒ وہی ہستی ہیں کہ عقائد میں ہم لوگ انہی کے مقلد ہیں جس طرح اجتہادیات میں امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں آخر کرامیہ نے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا - سلطان محمود غزنوی کے سامنے شکایت کی کہ اشعری کے عقائد کفریہ ہیں - آپ کو عدالت میں طلب کیا گیا - آپ نے جواب دعویٰ کے طور پر فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں نبی مانتا ہوں دنیا میں نبی ہیں برزخ میں نبی ہیں - هُوَ حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ - آپ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اگر وہ اب نبی نہیں تو نبوت کہاں گئی - رسالت کہاں گئی - یہ سن کر آپ کو نہایت عزت سے گھر پہنچایا گیا

کرامیہ بھی من حیث الجماعت مماتی عقیدہ نہیں رکھتے تھے - علامہ قشیریؒ نے ایک رسالہ لکھا (شکوہ اہلسنت والجماعت) اس میں انہوں نے تصریح کر دی کہ من

حَيْثُ الْكُلّ کرامیہ کا یہ عقیدہ نہیں۔ پھر امام ابوالحسن اشعریؒ نے خود ایک کتاب لکھی "مقالات السلامیین" مگر ان لوگوں نے امام اشعریؒ کے ذمہ بہتان لگایا کہ وہ حیات کے قائل نہیں تھے۔ چنانچہ اس کی تردید کے لئے بعد میں ایک کتاب لکھی گئی "تحذیب المفتری الی ما نسب الی ابو الحسن الاشعری"، علماء اہلسنت کا کہنا ہے کہ سنی مولویوں کے پاس یہ کتاب لازماً ہونی چاہیئے یہ کتاب نابود ہو گئی تھی۔ اسی طرح امام تاج الدین سبکی کا ایک رسالہ "التنبیہ" اسی مسئلہ کی تصریح میں لکھا گیا۔ بہرحال یہ عقیدہ کرامیہ ہی کے ایک گروہ نے اپنا لیا اور اس کی تشہیر کی۔ امام سبکیؒ کے بعد یہ مسئلہ دب گیا۔ اب ہمارے عہد میں پھر اس کا احیا کیا گیا اور اس شدت سے اس کا پروپیگنڈا کیا گیا کہ گویا اصل دین یہی عقیدہ ہے مولوی غلام اللہ خان نے اس کا بیج بویا اور عنایت اللہ گجراتی نے سعید گھرٹوی اب اس کی آبیاری کر رہے ہیں۔ پنڈیالوی اور نیلوی نے حسب توفیق اس "کارِخیر" میں جی بھر کے حصہ لیا۔

میں ایک دفعہ ملتان گیا۔ ایک مولوی صاحب آئے اور اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور اسی قبیل کی دوسری آیتیں پڑھ کے سنانے لگے۔ میں نے پوچھا مولانا! ذرا غور تو کریں کیا یہ آیتیں موت پر دلالت کرتی ہیں۔ جو مفہوم آپ لے رہے ہیں وہی سمجھا جائے تو چشم تصور کے سامنے یہ منظر آتا ہے کہ حضور اکرمؐ قبرستانوں میں جا کر مُردوں کو تبلیغ کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو بتایا کہ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس ہستی کو رب کریم نے قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لئے ہادی بنا کر بھیجا اس کو معاذاللہ اتنی سمجھ بھی نہیں کہ تبلیغ مُردوں کو کرنی ہے یا زندوں کو۔ اس سے بڑھ کر نبی کریمؐ کی توہین کی کوئی اور صورت بھی ہے کیا؟[1]

پھر انہوں نے بریلوی دیوبندی اختلاف کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ میں نے کہا میں اس مسئلہ میں کبھی دخل نہیں دیتا۔ کیونکہ میں بزدل ہوں۔ وہ کہنے لگے وہ کیسے میں نے کہا بس ایسے کہ یہ بحث کرنا دلیر آدمی کا کام ہے۔ کیونکہ ایک طرف کے انتہا پسندوں نے اللہ کے پلے میں کچھ نہیں دیا۔ دوسری طرف کے بہادروں نے رسولؐ کے پاس کچھ نہیں چھوڑا۔ لہٰذا یہ بس اسی سورما کا کام ہے جسے نہ خدا کی پروا نہ رسولؐ کی۔ اور میں بزدل ہوں۔ لہٰذا اس بحث میں پڑتا ہی نہیں۔ اہل باطل سے مناظرے میں مجبوراً کچھ کہنا پڑتا ہے۔ وہ بھی بات اُن کی ہوتی ہے مگر اپنی زبان سے کہتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ لیکن مناظرہ کے تقاضے پورے کرتے ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے ہم اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اہلبیت اور

[1] ایک ماڈرن مولوی نے اس آیت پر بحث کرتے ہوئے یہی استدلال پیش کیا تو حضرت شیخؒ کے ایک شاگرد نے کہا مولوی صاحب! مجھے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کے متعلق سرے سے بیان ہی نہیں یہ کفار کے متعلق

اور تمام صحابہ کرامؓ ہمارے لئے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ حضرت حسنؓ کی خلافت تک کو ہم خلافت راشدہ سمجھتے ہیں۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے مگر جب شیعہ سے مناظرہ میں اصحاب ثلاثہ کی تنقیص سنتے ہیں تو مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ بھلے مانسو! کیا تمہارے شیر خدا کے کی صورت یہ ہے کہ تم نے خود ان کی زبان سے کہلوایا کہ میرے گلے میں رسی ڈال کر مجھے لے آئے۔ اور جبراً بیعت کرائی۔ پھر یہ کہ مجھے یوں گھسیٹ لائے جیسے اونٹ کے ناک میں نکیل ڈال کر لایا جاتا ہے۔ یہ سب بات تُن کی ہوتی ہے مگر ہمیں کہنا پڑتی ہے۔ ورنہ ہمارے عقیدہ کے مطابق یہ شیر خدا کا کردار ہرگز نہیں۔ شیعہ نے تو خود حضرت علیؓ کا کردار یوں پیش کیا ہے کہ بے اختیار کہنا پڑتا ہے ؎

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

یہ نادان تو انبیاء تک کو بھی نہیں بخشتے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں ابراہیمؑ نے تقیہ کیا لہٰذا تقیہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے امام کی زبان سے یہاں تک کہلوا دیا کہ۔

"تقیہ ۹/۱۰ حصہ دین ہے"

اور امام سے یہاں تک منسوب کیا کہ "دنیا میں میرے لئے محبوب ترین چیز تقیہ ہے۔" کوئی پوچھے جو کام مجبوراً خلاف پسند کرنا پڑے کیا وہ محبوب ترین بھی ہوتا ہے۔ ہاں تو وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا اِنِّی سَقِیْمٌ"۔ تو انہوں نے تقیہ کیا تھا۔ یہ حروف ان کی قرآن فہمی کا کرشمہ ہے ورنہ اہل علم سے مخفی نہیں کہ بعض اوقات بولنے والا لفظ کے معنی بعید مراد لیتا ہے اور سننے والا اس سے معنی قریب مراد لیتا ہے ـــــ اس کو تقیہ کہنا کور ذوقی کی دلیل ہے۔ بیماری کا لفظ کیا صرف جسمانی مرض کے لئے بولا جاتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسے صرف جسمانی بیماری کیوں قرار دیا جائے۔

اسی طرح کا واقعہ سفر ہجرت کے وقت پیش

(یقینی و قطعی)

ہے اور یہ خود قرآن نے ایک ریاضیاتی مساوات کے ذریعے ثابت ہوتا ہے۔ کہنے لگے وہ کیسے جواب ملا۔

ایک بیان ہے .... انک لا تسمع الموتی .... نفی ہے۔

دوسرا ہے ...... ان تسمع الا من یؤمن بآیاتنا .... اثبات ہے۔

دوسرے بیان کا مفہوم یہ ہے تسمع من یؤمن بآیاتنا ـــــ اب اس دوسرے بیان کو نفی کے رنگ میں بیان کیا جائے تو یہ ہوگا ... لا تسمع من لا یؤمن بآیاتنا ـــــ تو گویا دونوں نفی بن گئے لہٰذا لا تسمع الموتی ـــ لا تسمع من لا یؤمن بآیاتنا ـ طرفین سے لا تسمع الگ کیا تو ـــ الموتی ـــ من لا یؤمن بآیاتنا ـ لہٰذا ثابت ہوا کہ ـــ الموتی ـــ سے مراد مُردے نہیں بلکہ کفار ہیں جن کے دل مردہ ہیں۔ ۱۲

آیا جب ابوبکر صدیقؓ حضور اکرمؐ کو کندھوں پر اٹھائے جارہے تھے تو دشمن کے آدمی مل گئے۔ انہوں نے پوچھا مَنْ ھٰذَا یہ کون ہے تو صدیق اکبرؓ نے جواب دیا رجل یھدینی۔ ہدایت کے ایک معنی قریب کے ہیں ایک بعید کے ہیں۔ کافروں نے اس کے معنی یہ سمجھے کہ جیسے کوئی ناواقف آدمی راستہ دکھانے کے لئے کوئی راستے کا واقف آدمی ساتھ لے جاتا ہے ایسے ہی یہ ہے اور صدیقؓ نے ہدایت کا لفظ استعمال کیا معنی بعید کے لئے کہ وہ شخص ہے جو مجھے ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے۔ کیا اسے تقیہ کہیں گے۔

دلائل کی تین قسمیں ہیں۔ نقلی۔ عقلی اور ذوقی اللہ کے فضل سے حیات النبیؐ کے سلسلے میں ہمارے پاس تینوں قسم کے دلائل موجود ہیں پھر اُن میں ذوقی دلائل کی حیثیت ہی عجیب ہوتی ہے۔ فرض کیجئے ٹھیک دوپہر کے وقت ۱۰ اندھے ایک بینا کو دلائل دینے لگیں کہ یہ رات کا وقت ہے تو کیا ان کے دلائل سن کر وہ اپنے سر کی آنکھوں کے سامنے چمکتے ہوئے سورج کا انکار کر دے گا۔ یقیناً نہیں تو میں حیات برزخی کا انکار کیسے کر دوں جبکہ میں خود انہیں دیکھتا ہوں ان سے باتیں کرتا ہوں۔ تو یہ اندھے ایک دو تین سینکڑوں آجائیں میں اُن کی بات کیونکر مان لوں۔

پھر یہ لوگ ظلم یہ کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کو کفر و ایمان مدار علیہ قرار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ اُن کے ایک پہلوان نے تو دوران تقریر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ۔

"اگر ابوبکر صدیق بھی حیات النبیؐ کا قائل ہو تو وہ بھی مشرک ہے"

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

ان کی اسی انتہا پسندی اور بدتمیزی کی وجہ سے ہمیں حق واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس مسئلہ پر چار کتابیں لکھ دیں۔

نہایت دُکھ کی بات ہے کہ ملک میں دو وبائیں اس زور سے پھیل رہی ہیں کہ یا ید و شاید۔ ایک طرف خارجیت ہے اور ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ یزید کو علیہ السلام کہو۔ دوسری طرف یہ مماتی ہیں کہ دیوبندی کا لیبل لگا کر تمام اکابر دیوبند کو مشرک کہتے ہیں۔ ان کا سارا زور اسی پر ہے کہ "نبی مر کے مٹی ہو گئے" اور جو یہ نہ مانے وہ کافر مشرک حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ شیعوں نے ہزاروں خطوط لکھ کے حضرت حسینؓ کو کوفے بلایا اور کوفہ ان کا اپنا گھر تھا۔ پھر اُن ہی بلانے والوں نے ان کا راستہ روکا اور خود ان لوگوں نے جنہوں نے خط لکھ کے بلایا تھا اپنے ہاتھوں سے حضرت حسینؓ کا گلا کاٹا۔ یہ درست ہے کہ شیعوں کی کتابوں سے یزید کی برأت ثابت ہوتی ہے مگر اہلسنت والجماعت کا مؤقف ان سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً امام احمد بن حنبل یزید کو کافر کہتے

ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اس کو کافر لکھتے ہیں۔ علامہ قرطبیؒ نے کافر لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسے "داعی الی الضلال" لکھتے ہیں۔ علامہ وزیر خاں نے اسے "الروض الباسط" میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اس کو مردود لکھتے ہیں۔ امام مالکؒ اس کو ابلیس کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ اسے شیطان لکھتے ہیں۔

ملتان میں ایک خارجی سے بھی اسی سلسلہ میں گفتگو ہوئی۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ فرض کر لیتے ہیں کہ میں شیعوں کا مخالف ہوں اس لئے میرے سامنے آکے اپنا ہمنوا بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ میں شیعوں کا ہرگز مخالف نہیں ہوں، میں طبیب بھی ہوں اور طبیب مرض کا دشمن ہوتا ہے مریض کا خیر خواہ اور دوست اسی طرح میں شیعیت کا دشمن ضرور ہوں کہ یہ مرض صریح کفر ہے مگر شیعوں کا خیر خواہ اور دوست ہوں کہ انہیں اس مرض سے آگاہ کرتا ہوں اور دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔

ذوقی دلیل کے سلسلے میں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ کشف والہام ولی۔ مظہر احکام ہے مثبت احکام نہیں یعنی شریعت کے احکام وہی ہیں جو قرآن وسنت سے ظاہر ہیں۔ کوئی نیا حکم وضع نہیں ہوگا۔ ہاں احکام کے اسرار و رموز اس سے ظاہر ہو جاتے ہیں زرقانی چھٹی جلد میں اس کی حیثیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ کشف والہام مثبت احکام نہیں۔ لہٰذا شریعت کے احکام وہی ہیں اور عمل انہی پر ہوگا جو قرآن وسنت سے ثابت ہوں۔ حضور اکرمؐ کی روح پُر فتوح سے جو بات معلوم ہو اس سے شریعت کے احکام نہیں بدلیں گے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کشفی طور پر حضور اکرمؐ کی زیارت کرتے ہیں وہ صحابی نہیں بن جاتا۔ کیونکہ صحابیت کے لئے جابنین کا مکلف ہونا۔ دنیا میں موجود ہونا اور دیکھنے والے کا باایمان ہونا شرط ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ اگر نبی کریمؐ کو دنیا سے انتقال کے بعد بھی کسی شخص نے دیکھ لیا تو وہ صحابی نہیں بن سکے گا۔

حیات النبیؐ کا مسئلہ ایسی حقیقت ہے جسے وہ علمائے کرام تسلیم کر چکے ہیں جو ہمارے لئے مشعل ہدایت ہیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ مولانا حسین احمد مدنی۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ مولانا احمد علی لاہوری بلکہ تمام اکابر دیوبند بلا اختلاف اس مسئلہ پر متفق ہیں ان کے مقابلہ میں آج کے قل اعوذ یوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ وہ ہستی ہے کہ ان کا علم ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور برِ عظیم کے تمام علماء کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو شاہ صاحب کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اُن کی کتابیں "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ"، "تفہیمات

"القول الکبیر" خیر کثیر دیکھئے تفسیر میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سارا قرآن کریم نبی کریمؐ سے پڑھا ہے۔ میں سید اویسی ہوں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا میرے چند برس ایسے گزرے ہیں کہ میں نبی کریمؐ سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا

مولانا انور شاہ صاحب سے گوجرانوالہ کے مولوی محمد چراغ صاحب نے سوال کیا۔ کیا اہلِ قبور سے اخذِ فیض ہو سکتا ہے انہوں نے فرمایا کہ محدثین تو نہیں مانتے لیکن میں تو قائل ہوں کیونکہ ہر فن میں ماہرِ فن کی بات ہی سند ہوتی ہے۔ اس فن یعنی اجرائے فیض اور اخذِ فیض کے فن کے ماہر صوفیائے کرام ہی ہیں۔ ان میں وہ حضرات جو علم کے ستون ہیں جب وہ کہتے ہیں تو انکار کی مجال کس کو ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ۲۸ رسال کی عمر تھی کہ میں حرمین چلا گیا ایک روز "ریاض الجنۃ" میں کھڑا ضحیٰ کے نفل پڑھ رہا تھا ایسی حالت پیش آئی کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ سر کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں یا دل کی آنکھیں۔ میں نے دیکھا کہ میں انوار میں غرق ہوں۔ نفلوں سے فارغ ہو کر مواجہہ شریف کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضور اکرمؐ دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھے ہیں۔ مراقبے کی حالت میں ہیں۔ میں بیٹھا دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد آپؐ نے ہاتھ مبارک آگے بڑھائے، میں نے آگے بڑھ کر بیعت کر لی۔ یہ بات "تفہیمات الٰہیہ" میں اور "فیوض الحرمین" میں موجود ہے۔

"الانتباہ" میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضور اکرمؐ سے پوچھا کہ علمائے کرام شیخین کی فضیلت کے قائل ہیں مگر صوفیا میں اکثر وہ ہیں جو حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل ہیں۔ حضور اکرمؐ کی طرف سے میرے قلب پر جو فیض نازل ہوا میری سمجھ میں آیا کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ کہ حضرت علیؓ کی فضیلت جزوی ہے۔ شیخین میری نبوت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے جو شیخین کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ ان کے بدن کے تمام مساموں سے انوار کے فوارے پھوٹ رہے ہیں۔

پھر شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا شیعہ مذہب میں بڑے بڑے فاضل گزرے ہیں۔ بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں اُن کے متعلق حضورؐ کا کیا ارشاد ہے۔ فرمایا یہ مذہب باطل ہے۔ اور بطلان کی دلیل لفظ امام ہے۔ میں سمجھ گیا کہ ان کا عقیدہ امامت کفر در کفر کا مجموعہ ہے۔ یہ اماموں پر باطنی وحی کے قائل ہیں جو ختم نبوت کا انکار ہے۔ اس کے علاوہ امام کے متعلق اُن کے ہر عقیدہ میں ایک نیا کفر موجود ہے۔

پھر میں نے اہلسنّت کے چاروں فقہی مکاتبِ فکر کے متعلق پوچھا کہ حضورؐ کس کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا چاروں ایک جیسے ہیں۔

پھر میں نے تصوف کے چاروں سلسلوں کے متعلق بھی سوال کیا تو حضور اکرمؐ نے وہی جواب دیا کہ چاروں ایک جیسے ہیں۔

پھر میں نے پوچھا یارسول اللہ! کیا میں تقلید چھوڑ دوں اور خود کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے احکام اخذ کیا کروں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا ایسا نہ کرنا گمراہ ہو جاؤ گے۔

اسی طرح چھٹی صدی میں سید احمد رفاعی کا واقعہ پیش آیا۔ نو ہزار آدمی اس وقت موجود تھے۔ جب قبر مبارک سے حضور اکرمؐ نے ہاتھ باہر نکالا اور سید احمد رفاعیؒ نے بوسہ دیا۔

اسی قسم کا واقعہ اعظم شاہ بتورتی کا ہے۔ اسی طرح مولانا مدنی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ غرض اکابر دیوبند میں سے کوئی ایک صاحب بھی ان مماتیوں کے عقیدے کا نہیں۔ تمام علمائے دیوبند حیات النبیؐ اور حیات برزخیہ کے قائل ہیں۔

جسم مثالی کی ترکیب ایجاد کر کے ان لوگوں نے ٹھوکر کھائی اور دوسروں کو گمراہ کیا جس کی اصل یہ ہے کہ قبر میں روح کی شکل بعینہٖ وہی ہوتی ہے جو جسم کی ہوتی ہے یعنی روح کی یہ صورت مثالی ہوتی ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں یہ حقیقت اشارۃً بیان فرمائی ہے اور حضرت انور شاہ صاحب نے بھی یہی بیان فرمایا۔

روح پیدائشی طور پر عاقل بالغ ہوتی ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں ارواح کا بَلٰی کہنا اس کی بین دلیل ہے۔ ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو روح کو بدن کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ فلاسفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تخلیق مادے سے کی گئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ صورتیں تھیں۔ صورت کا عنداللہ وجود ہوتا ہے۔ جیسے انجینئر کے ذہن میں عمارت کی صورت موجود ہوتی ہے اسی کے مطابق وہ نقشہ بناتا ہے پھر مکان تعمیر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ بچہ اگر کافر کا بھی ہو مگر بلوغت سے پہلے اگر وہ مر جائے تو وہ کافر نہیں کیونکہ اس کی روح نے جو بَلٰی کہا تھا اس کا اقرار ابھی تک اس کے ساتھ ہے۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ اسی حقیقت کا بیان ہے۔

جسم مثالی کا دھوکہ ایک اور وجہ سے بھی ہوا وہ یہ کہ قبر میں روح نظر آتی ہے۔ بدن نظر نہیں آتا۔ اور روح کی شکل بالکل بدن کی طرح ہوتی ہے۔ غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ روح کو جسم مثالی مل گیا ہے۔

دین وہ ہے جو حضور اکرمؐ نے صحابہؓ کو سکھایا

حدیث وہ ہے جو دنیوی زندگی میں حضور اکرمؐ کی زبان مبارک سے نکلی۔

رہی بات روح اور باطنی دولت کی تو روح زندہ ہے اس کا تعلق مِنْ وَجْہٍ دنیا کے ساتھ ہے اور مِنْ وَجْہٍ آخرت کے ساتھ۔ اسی وجہ سے جب ایصالِ ثواب کیا جائے تو اُن کو ملتا ہے۔ رُوح کا تعلق دنیا سے

اس وقت منقطع ہوگا جب پُلصراط سے گزرے گی۔"

ارشادات

حضرت شیخ المکرمؒ

کی ایک محفل سے

(از حافظ عبدالرزاق)

اسباب ظاہری کے بغیر کسی چیز کے حاصل ہو جانے کی تین صورتیں ہیں۔

اوّل: تھوڑی چیز میں ایسی برکت پیدا ہو جانا کہ وہ بڑھ جائے جیسے غزوۂ تبوک میں ۳۰/۳۲ ہزار کا لشکر اور سامان کا یہ حال تھا کہ کسی کے پاس ایک کھجور تھی کسی کے پاس دو دانے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمبل بچھا کر حکم دیا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے اس کمبل پر رکھ دو۔ جب سب نے رکھ دیا تو حضور اکرمؐ اس کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ اور فرمایا کہ سب لوگ اپنی اپنی خرجیاں بھولیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب یہ سب ہو گیا تو دیکھا کہ جتنا رکھا تھا اتنا ہی پڑا ہے۔

دوم: یہ کہ کوئی شخص ہمہ کسی دینی کام میں لگا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے وہ آ کے اس کی خدمت کر دیتے ہیں۔

سوم: وہ جو آپ پوچھ رہے ہیں کہ تکیہ کے نیچے سے یا مصلیٰ کے نیچے سے پیسے نکل آئیں یہ قطعی حرام ہے۔ یہ جن لاتے ہیں۔ خواہ مجبور ہو کر لائیں یا کسی کا چرا کر لائیں۔ دونوں صورتوں میں یہ مال لینا حرام ہے۔

ایک شخص نے پوچھا یہ سونا چاندی بنانا کیسا ہے۔

فرمایا۔ یہ سونا چاندی بنانا محض فریب ہے۔ رنگ چڑھ جاتا ہے۔ حقیقت نہیں بدلتی۔ قلب ماہیت یعنی جنس ہی کا بدل جانا باطل ہے۔ گدھے کو کسی کٹھالی میں رکھ کر بندہ ہی نہیں بنایا جا سکتا۔

ایک شخص نے کہا مسلمان دنیا میں ہر جگہ مظلوم

ہیں۔ فرمایا مسلمان مظلوم نہیں ہو سکتا۔ بات ہماری طرف سے بگڑی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جوں جوں صلحائے امت کم ہوتے جائیں۔ پیچھے چھان رہ جاتا ہے۔ اللہ کو ان کی کوئی پروا نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ موتہ کی جنگ میں ۴ لاکھ فوج ہرقل نے بھیجی تھی۔ اِدھر سے نبی کریمؐ نے ۳ ہزار کی فوج بھیجی۔ حضور اکرمؐ فوج کو رخصت کرتے وقت فرمایا کہ علم جعفر طیارؓ کو دینا۔ وہ شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہؓ کو اسی طرح آگے فرمایا۔ اور جنگ میں یہی ہوا۔ خالد بن ولیدؓ نے قیادت سنبھالی۔ بخاری میں آتا ہے کہ اس روز خالدؓ نے ۸ تلواریں توڑیں۔ طبرانی "معجم الکبیر" میں لکھا ہے کہ نو تلواریں اس جنگ میں خالد کے ہاتھ سے ٹوٹیں۔ اللہ تعالیٰ نے چار لاکھ کے مقابلے میں ۳ ہزار کو فتح دی۔

اسی طرح یرموک کی جنگ میں رومیوں کی تعداد ٹڈی دل کی طرح تھی اور مسلمان ۳۷ ہزار بس۔ صدیق اکبرؓ فوت ہو چکے تھے۔ عمر فاروقؓ خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے خالدؓ بن ولید کو معزول کر کے ابو عبیدہؓ کو امیر مقرر کیا۔ مگر انہوں نے دشمن کی حالت دیکھ کر خالدؓ بن ولید کو کہا یہ کام میرے بس کا نہیں۔ آپ ہی ان سے نمٹیں خالدؓ نے نقشہ بنایا۔ پشت پر ایک پہاڑی تھی۔ وہاں عورتوں کو بٹھا دیا کہ اگر کوئی سپاہی جنگ سے منہ موڑ کر پیچھے ہٹے تو اس کو قتل کر دینا۔

رومیوں کا جرنیل ہامان تھا جو ایرانیوں کے مقابلے میں اپنی بہادری کا سکہ منوا چکا تھا مگر شکست کھائی تو انطاکیہ نہیں گیا۔ اپنے بادشاہ کو لکھا کہ میں منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔ گو میں نے اپنا دین اور ملک بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر زمین والوں سے لڑنا تو ممکن ہے آسمان والے رب سے لڑنا ممکن نہیں۔

جو لوگ بھاگ کے واپس گئے۔ ہرقل نے اُن سے پوچھا کیا وہ جن تھے یا فرشتے؟ جواب دیا انسان تھے۔ کیا وہ زیادہ تھے یا تم؟ جواب دیا تعداد میں ہمارے مقابلے میں وہ آٹے میں نمک تھے۔ کیا وہ تمہارے مقابل میں زیادہ طاقتور تھے؟ جواب دیا وہ تو دُبلے پتلے لاغر جسم والے تھے۔ کہنے لگا پھر انہیں فتح کیونکر ہو گئی۔ ان میں سے ایک پادری نے اٹھ کے جواب دیا۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے سچے پیرو ہیں۔ ہم نے دونوں کو چھوڑ رکھا ہے وہ رات مصلیٰ پر ہوتے ہیں اور دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر۔ اور ہم رات رنگ رلیاں مناتے گزار دیتے ہیں۔ دن کے لئے جرأت کہاں سے آئے۔

وہ شریعت کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم میں زنا، جھوٹ، حرام خوری غرض کونسا عیب ہے جو موجود نہ ہو۔

ہرقل کہنے لگا اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو یہ زمین جہاں اب میں بیٹھا ہوں اُن کے قبضے میں آ کے رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہو کے رہا۔ تعجب بلکہ افسوس یہ ہے

کہ جو بات ایک غیر مسلم عیسائی کی سمجھ میں آگئی آج کروڑوں مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ بس لیبل پہ ہی مطمئن ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ جب ہم نے مسلمان کا لیبل لگا رکھا ہے تو ہمیں وہ کچھ کیوں نہیں ہوتا جس کا مسلمانوں سے وعدہ ہے۔

تصور شیخ کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ ایک تدبیر ہے جو بعض صوفی یکسوئی حاصل کرنے کے لئے کراتے ہیں مگر میں اس کا قائل نہیں ہوں نہ میں نے کبھی تصورِ شیخ کرایا ہے

لسانی ذکر کے متعلق فرمایا۔ کہ لسانی ذکر میں سب سے افضل تلاوت قرآن کریم ہے۔ پھر وہ اذکار جو قرآن و سنت میں مذکور ہیں۔ کلمہ طیبہ، درود شریف، استغفار وغیرہ سب لسانی ذکر ہیں۔ امام نووی رحؒ نے "کتاب الاذکار" میں وہ تمام اذکار نقل کر دیئے ہیں۔ جو نبی کریمؐ اور صحابہؓ سے منقول ہیں۔ اسی طرح حصن حصین کی شرح "تحفۃ الذاکرین" امام شوکانی نے لکھی ہے۔ اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے "عمل اللیل والنہار" لکھی ہے۔

لسانی ذکر حصول ثواب کے لئے ہوتے ہیں۔ تعمیر سیرت اور تزکیۂ قلب کا کام لسانی ذکر سے نہیں ہوتا۔ دیکھئے نا! آپ ہاتھ دھو لیں تو کیا اس سے منہ صاف ہو جائے گا۔ ہاں یہ اچھی بات ہے کہ زبان تو نیک کام میں مصروف رہی۔ مگر زندگی تب بدلتی ہے جب دل بدلے اور دل بدلتا ہے ذکر قلبی سے۔ پس ذکر لسانی سے ثواب ضرور ہوتا ہے مگر تزکیہ باطن یا مقامات تصوف و سلوک تو صرف ذکر قلبی ہی سے طے ہوتے ہیں۔ وہ جو کسی نے کہا ہے نا ؎

غوطے تو لگائے زمزم میں اور غرق ہیں حُبِ دنیا میں
پانی نے بدن کو پاک کیا اب جان کو طاہر کون کرے

فرمایا: نبوت کے دو پہلو ہیں۔ ایک ہے نبی کا اللہ تعالیٰ سے احکام لینا۔ دوسرا ہے یہ احکام مخلوق تک پہنچانا۔ اصل اور بنیادی پہلا پہلو ہے، فرشتے نے ترقی روحانی سے اللہ کریم سے کلام حاصل کیا اور انبیاء نے ترقی روحانی سے وہ کلام فرشتے سے لیا۔ ارشاد ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ ۔ (القرآن الحکیم : پ ۱۹)

"یعنی وحی کا نزول قلب نبوی پہ ہوا۔"

اور تاکیدی حکم ہوا کہ جب قلب پر نزول وحی ہو رہا ہو۔ زبان خاموش رہے۔ لا تحرک به لسانک لتعجل به۔ تو اب سوچئے کہ کلام سُن کون رہا ہوتا تھا اور پڑھتا کون تھا۔ نہ یہ کان سنتے نہ یہ زبان پڑھتی۔ یہ دونوں کام قلب کرتا تھا، یہ سارا معاملہ کشفی اور باطنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی معصوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ سے لینے کے معاملے میں اگر نبی سے لغزش یا غلطی ہو جائے تو اعتبار کس پہ رہے گا۔

شیعہ بیچارے اپنے بارہ اماموں کو معصوم کہتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ انبیاء ورا الوریٰ سے احکام حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے واسطے عصمت شرط ہے۔ احکام کے پہنچانے میں عصمت شرط نہیں۔ اگر ایسا ہو تو سب مولوی معصوم ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو نبی باطنی طریقہ سے حاصل کرتے ہیں اور نور نبوت سے یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے

ہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ ایک ہے نور نبوت ایک ہے علومِ نبوت۔ علومِ نبوت ہر آدمی پڑھ سکتا ہے اس کے لئے ایمان شرط نہیں۔

میں جب دورۂ حدیث کے لئے دہلی گیا تو دہلی میں دھرم بھکشو اور کالی چرن دو پنڈت قرآن کا اٹھائیسواں پارہ یاد کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ علومِ نبوت ایمان کے بغیر بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر نور نبوت کے حصول کے لئے بنیادی طور پر ایمان شرط ہے۔ پھر ایمان کے بعد تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے یہی تصوف ہے اور یہی نور نبوت ہے اور یہی نبوت کا باطنی حصہ ہے۔ علومِ نبوت کی حفاظت کا حق چار مذاہب اہلسنت نے ادا کر دیا۔ علومِ نبوت پر عمل نہ کرنے سے آدمی فاسق و فاجر ہو جاتا ہے مگر ان کا انکار کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح نبوت کے باطنی حصہ یا تصوف کو حاصل نہ کر سکا تو ناقص اور محروم رہا۔ اور اگر انکار کر دیا تو ظاہر ہے کہ اس نے نبوت کے باطنی حصے کا انکار کر دیا۔ یعنی اس نے اعلان کر دیا کہ نبوت کا باطنی حصہ ختم ہو گیا ضائع ہو گیا۔

فرمایا: پچھلے دنوں امام سے ایک سوال آیا کہ یہاں یہ کہتے ہیں کہ وتروں کے بعد نفل پڑھنا بدعت ہے۔

میں بخاری اور دوسری کتب حدیث سے احادیث نقل کر کے بھیج دیں کہ نبی کریمؐ تاکید فرماتے تھے کہ رات کو اٹھنا ذرا مشکل ہے اگر آدمی وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لے تو یہ رات کی نماز کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ بس اللہ کا نبیؐ تو یہ فرماتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص فرض نماز کو بھی بدعت کہہ دے تو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ جہالت کیا کیا رنگ لاتی ہے۔

ابوظہبی سے "آفتاب" نے لکھا کہ یہاں عجیب تماشہ دیکھا کہ لوگ شکار کو نکلے۔ ایک گیدڑ نکل کے بھاگا اس کو شکار کر لیا میں نے کہا یہ تو جنگلی کتا ہے۔ نجس ہے حرام ہے کہنے لگے۔ ھٰذَا صَیْدٌ ھٰذَا حَلَالٌ۔ بس ذبح کر لیا اور کھا گئے۔ تو جہالت کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ خصوصاً جہلِ مرکب سے محفوظ رکھے کہ جاہل بھی ہو اور اپنی جہالت کا احساس بھی نہ ہو اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جہالت کو ہی کمالِ علم سمجھے۔ آج یہ جنس بڑی ارزاں ہے۔

اللھم احفظنا من شرور انفسنا

یادوں کے آئینے میں

ابنِ محبوب سبحانی

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رح نے ترویج دین کے لئے مختلف کوششیں کیں۔ مثلاً درس و تدریس تقاریر و مناظرہ ملک کے گوشے گوشے کا دورہ الفاروق رسالے میں مضامین، فرقہ باطلہ کا تحقیقی مطالعہ اور کئی کتابوں کی تصنیف لیکن آپ اکثر فرمایا کرتے تھے تزکیہ نفس کے بغیر اصلاح ناممکن ہے، جب لوگوں کو اللہ اللہ سکھانا شروع کیا تو لوگوں کے گھر دل تک جاکر انہیں ولطائف و مراقبات کروائے۔ ہزار سے زیادہ تعداد میں لوگوں کو مراقبہ فنا فی الرسول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی بیعت کروائی اس کے باوجود کبھی پیر یا گدی نشین کہلانا بھی مناسب نہ سمجھا بلکہ استاد کہلاتے تھے سادہ لباس عام زندگی، ساتھیوں میں تشریف فرما ہوتے تو آنے والے کے لئے پہچاننا مشکل تھا کہ ان میں استاد کون ہے اور شاگرد کون۔ سوائے اس کے حیب بیماری کی وجہ سے مجبوراً چارپائی پہ لیٹنا یا بیٹھنا پڑتا۔ تصوف وسلوک کی اس تعلیم کے سلسلے میں دور دراز علاقوں تک سفر کرتے رہے۔ کئی جگہوں پر پیدل بھی چلنا پڑا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۶۷ئہ میں کراچی تشریف لے گئے۔ ایئر پورٹ پر کوارٹر کا ایک حصہ مستعار لے کر رہائش اور اذکار کی محفلوں کا بندوبست کیا گیا۔ پی، این، ایس ہمالیہ اور ملیر کینٹ بھی تشریف لے گئے۔ بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے دو اڑھائی میل پیدل چلنا پڑا لیکن اس مرد قلندر نے بندوں کا رب سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے اور قلوب کی اصلاح کی خاطر سب کچھ برداشت کیا۔

احباب کو فرماتے تم لوگ میرے مرید نہیں بلکہ مراد ہو۔ اشاعت اسلام کی انہی کوششوں کے سلسلے میں ۲۱ نومبر ۱۹۸۱ئہ میں کوہاٹ بھی تشریف لائے۔ کوہاٹ میں شہر کے معززین اور علماء سے آپ نے جو کچھ فرمایا۔ نیز سامعین کے

تاثرات۔ اور سلسلے میں حلقے کے چند احباب سے بھی آپ کی ملاقات کروائی جاتی ہے۔

کوہاٹ کے امیر صاحب سے ابتدا کرتے ہیں

سردار شاہ صاحب کوہاٹ کے مشہور بزرگ حاجی بہادر بابا کے پوتے، مدرسہ تعلیم القرآن جامع مسجد حاجی بہادر بابا کے نائب سرپرست ہیں ۱۹۷۳ء سے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں شامل ہوئے اور اب اس جماعت کے ضلع کوہاٹ کے امیر ہیں۔

سوال:۔

شاہ صاحب حضرتؒ جب کوہاٹ تشریف لائے تو کن لوگوں کو ملنے کا موقعہ ملا۔ جمعہ بھی تھا تو آپ کا خطاب کس مسجد میں ہوا؟

جواب:۔

حضرتؒ کی تشریف آوری پر ہم نے شہر کے معززین کو مدعو کیا تنظیم اہل سنت، کوہاٹ کا سیکرٹری ہونے کی وجہ سے تمام علماء سے بھی میرا تعلق تھا۔ کوہاٹ کے تقریباً سبھی علماء کو بھی ہم نے دعوت دی۔ تو تقریباً سبھی تشریف لائے۔ حضرت کے ارشادات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مولانا عبدالمنان صاحب بعد میں چکڑالہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے وہیں جا کر بیعت ہوئے باقی بھی سب کی خواہش تھی اب کبھی پھر تشریف لائیں۔ لیکن زندگی کی مصروفیتوں میں پھر وقت نہ نکل سکا جس کی وجہ سے یہی کوہاٹ کا پہلا اور آخری دورہ تھا۔ نماز جمعہ کا خطاب عسکری مسجد میں ہوا۔

کوہاٹ دینی لحاظ سے خاصا علمی شہر ہے جس میں دو مدرسے تو کافی پرانے ہیں چھوٹے چھوٹے کئی مدارس بھی ہیں۔ حضرتؒ نے علماء اور شہر کے معززین سے جو کچھ فرمایا اتفاقاً اس کی کیسٹ پشاور سے دستیاب ہوگئی۔ لہٰذا قارئین کی دلچسپی کے لئے وہی الفاظ نقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گو تقریر اور تحریر میں بہت فرق ہوتا۔ لیکن عوام کی دلچسپی جہاں تحریر کی شستگی میں ہے۔ وہاں خواص کے جذبات کا تعلق خود انہی کی تقریر سے بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا سوائے چند الفاظ کے آگے پیچھے کر دینے کے باقی وہی الفاظ پیش خدمت ہیں۔ جن کی برکت سے پڑھتے ہوئے یادوں کے اس دریچے سے آپ خود کو اس محفل میں حاضر پائیں گے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔

دین تواتر کا نام ہے سلف صالحین پر اعتماد سے یہ آگے چلتا ہے اللہ کے رسولؐ اور صحابہؓ پر اعتماد ہی اس کی بنیاد ہے۔ جبرائیل کا اللہ پر، پھر حضورؐ کے جبرائیل پر اعتماد سے یہ

سلسلہ چلتا ہے۔

نبی کریم پر جس وقت وحی اترتی ہے تو یہ کان نہیں سن سکتے، یہ آنکھیں جبرائیل علیہ السلام کو نہیں دیکھ سکتیں۔حتیٰ کہ زبان تک ہلانے سے ممانعت کر دی گئی ہے۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به ط ان علينا جمعه وقرآنه

قرآن کریم کو جبریل علیہ السلام کس طرح لاتے ہیں اس سے پہلے تورات اور انجیل چار کتابیں آسمان سے اتری ہیں۔جبرئیل علیہ السلام انکو کہاں سے لاتے ہیں۔جس وقت پہلے دن جبریل علیہ السلام کسی پیغمبر کو پیغام سناتے ہیں، پہلے دن یہ پیغمبر کس طرح سمجھ جاتے ہیں کہ یہ جبریل علیہ السلام ہیں، کوئی جن بھوت نہیں، شیطان نہیں اور نہ ہی کوئی اور چیز،

حضرت امام غزالیؒ کو یہ اعتراض ہوتا ہے پہلا سوال یہ تھا کہ جبرئیل علیہ السلام کو ہم کس طرح پہچان لیتے ہیں یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔نبی کریمؐ کا اس وقت معاملہ شروع ہوا تھا۔پھر یہ بھی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کی خبر واحد ہے۔اور خبر واحد پر ایمان لانا کہاں جائز ہے،

تیسرا سوال یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کی تقلید کر کے یعنی اس پر ایمان لانا، اگر اس پر اعتبار کر لیا گیا تو یہ ایمان تقلیدی ہوا۔ایمان تقلیدی جو ہے تشقیق مجروح ہے اس کے ساتھ زائد ہو جاتا ہے۔یقین اور تصدیق کے درجے کو نہیں پہنچتا یہ سوال ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت شیطان کا کلام ہوتا ہے۔یا کسی جن بھوت کا تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور خوف پیدا ہو جاتا ہے اگر جس مکان میں شیطان آجائے تو دل کے نورِ بصیرت سے فوراً سمجھ آجاتی ہے۔خوف پیدا ہوتا ہے۔ہمیشہ دشمن سے آدمی ڈرتا ہے اور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کشف تام ہوتا ہے اور پوری چیز کی حقیقت کھل کر سمجھ آجاتی ہے اس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔اور حالتِ استغراق میں وحی نازل ہوتی رہتی ہے دل بیدار رہتا ہے اس لئے تمام علماء کا اتفاق چلا آرہا ہے تمام محدثین کا چار سو سال تک اس سے اتفاق رہا ہے ساڑھے چار سو سال بعد بھی تھوڑے بہت آدمی اختلاف کا موجب بنے کچھ علمائے کرام کا عقیدہ یہ ہے کہ جس وقت کوئی نبی دنیا سے رخصت ہو جائے تو نبی نہیں رہتا حکمی نبی ہوتا ہے۔

صالحیہ کا، کرامیہ کا معمریہ، بکریہ کا،

نظامیہ کا، مختاریہ کا، شکیہ، زیدیہ، لاادریہ کا یہ عقیدہ آگے تو آپ دیکھتے ہیں کہ حالات کیسے بن چکے ہیں۔ اس وقت ہمارے بعض دوست ایسے بھی ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ روح کا تعلق حضور اکرمؐ کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ ثواب جو ہوتا ہے۔ جسم خیالی ہوتی ہے یہ عقیدت نہیں کی جا رہی۔ اچھا آپ سارے علماء بیٹھے ہیں میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ علم صفت کس کی ہے؟ بدن کی ہے؟ یا روح کی ہے۔ دل کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے تصدیق قلب اسی کو کہتے ہیں، قلب خون کا ایک لوتھڑا ہے جو حیوانوں میں بھی ہوتا ہے قلب کا ذکر ہوتا ہے چونکہ روح کا تعلق قلب کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے سینے کو صدر کہہ دیتے ہیں صدر وہ مقام ہوتا ہے۔ جہاں بادشاہ رہتا ہے۔ دل بھی سینے میں رہتا ہے۔

فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

یہ کافر آنکھوں کے نہیں دل کے اندھے ہوتے ہیں بصیرت اور اعمال میں تقابل کونسا ہے؟

ادب وبالقار امامن شاالله یعقوب۔

بصیرت۔

اس کے شان سے ہو تو دلائل کو کوئی اندھا نہیں کہتا اس کے شان سے ہی بصارت ہوتی ہے۔) تعلق روح کے ساتھ ہے قرآن کریم اوّل سے آخر تک دیکھتے جاؤ قرآن میں جہاں بھی ہے پھر ان کے دل مطمئن نہیں ہوئے۔ ان سے یہی ہوا ہے۔

قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم

تمہارے دلوں میں تصدیق قلب ہی نہیں ہے۔

ایمان نبوت علم ولایت، یہ ساری صفتیں روح کی ہیں۔ اگر بدن کے ساتھ روح کا تعلق نہ رہے تو اللہ کے نبی جس قدر ہیں۔ ایمان اور نبوت سے خالی ہو جائیں پھر تو ہر مومن کا بدن ایمان سے خالی رہے کہ اس کے ساتھ روح، اس جسم کے ساتھ اس کا کوئی تعلق تو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت سے خالی ایمان سے خالی، ولایت سے خالی، اس لئے کرامیہ اور سارقیہ، خود خبیثوں نے یہ کہا ہے کہ اب لا الہ الا اللہ کان محمد الرسول اللہ اپنے زمانے میں رسول تھے۔ اب نہیں۔ نبوت سے خالی ہیں۔ ایمان سے خالی ہیں۔ یہ کس طرح کا خطرناک عقیدہ ہے کہ یہ باقی رہ گیا یہ بھی ہے کہ ان کی ضرورت نہیں۔ چونکہ کشف یا الہام یا کرامات جس قدر بھی ہیں یہ سب ثمرہ ہیں جس عمل کا یعنی تصوف کا ذکر یا ذکر الٰہی کا یہ ثمرہ ہیں۔ اصل میں مقصودی

چیز سمجھتے ہیں۔ جس طرح جہاد پر مسلمان جاتا ہے جہاد کا اصل مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید لوگوں کے دلوں میں بٹھائی جائے۔ اور قرآن کی اشاعت کی جائے توحید منوائی جائے، رسالت منوائی جائے، دین اسلام اور احکام الٰہی کی اشاعت کی جائے ساتھ ساتھ غنیمت بھی مل جاتی ہے۔ لیکن غنیمت مقصودی تو نہیں ہوتی۔ غنیمت تو خود بخود آجاتی ہے۔ تو اس لئے ذکر الٰہی، اصلی رضائے الٰہی، تصور قلب غیروں کی محبت اور دوسری چیز دل سے نکل جائے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور قرآن وسنت کی محبت اس دل میں سما جائے یا کوشش صوفی کی یہ ہوتی ہے آگے اُس کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں وہ علیحدہ چیز ہے مقصودی چیز نہیں ہے۔ لیکن تاہم اس سے بھی اسرار اور رموز شریعت واضح ہوجاتے ہیں حق و باطل کا اس طرح پتہ چل جاتا ہے۔ کشف قبور ہوجاتا ہے۔ کشف قبور سے پتہ چل جاتا ہے۔ کہ کون دوزخ میں پڑا ہے اور کون سا جنت میں۔ موت کے بعد اگر ایمان ضائع کرکے جائے تو روح کی شکل یا تو سؤروں والی ہوگی۔ بندر کی ہوگی ریچھ کی ہوگی یا کتوں کی ہوگی۔ یقیناً اُن میں ایمان نہیں اسی طریقے سے بدکار، دیندار، نیک اور صالح کے حالات واضح ہوجاتے ہیں۔ کہ آیا اس کی حالت کیا ہے۔ دنیا میں یہ کیا کہتا اور کرتا تھا۔ اور جن اعمال سے سزا ہوتی ہے۔ ہم نے مجسٹریٹوں کو دیکھا، ججوں کو دیکھا پولیس کو دیکھا، ہاتھ کاٹتے ہیں دوسروں سے کٹواتے ہیں خود کاٹتے دانتوں سے کاٹتے ہیں۔ ہم نے شیعہ علماء کو دیکھا ان کی زبان ناف تک لٹکتی ہوئی ہوتی ہے اور اس پر سانپ اور بچھو چھوڑے جاتے ہیں بکواس کرتے ہیں۔ سود خوروں کے پیٹ بڑے بڑے ہوجاتے ہیں۔ اُن میں سانپ چھوڑے جاتے ہیں ظالم کی سزا علیحدہ ہے بداعمالوں کی اور انسانوں کی ان بُرے عقائد اور اعمال سے بچنے کی کوشش کرے۔

حدیث میں آتا ہے۔ کہ چغل خور کو چغلی کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے اور پیشاب کی چھینٹوں سے۔

انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ چغلی میں بھی اسی طرح بدبو ہے۔ جس طرح پیشاب کی بدبو ہوتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم نے فرمایا کیا ہم نے نہیں پڑھا؟ مشکوٰۃ جو حدیث کی بہترین کتاب ہے۔ جلد چہارم میں ہے۔ عمل کیلئے پہلے ترہیب کی حدیثیں لاتا ہے۔ پھر اُس کے ساتھ دوسری حدیثیں ترہیب کے متعلق لے آتا

ہے۔ ایسے کام کریں تو یہ نیکی ہوتی ہے۔ اتنا ثواب ہوگا۔ بہت اجر ہوگا۔ بہت مرتبہ ملے گا یہ کریں گے تو عذاب ہوگا۔ الترغیب و الترہیب اس میں تصحیح کی گئی ہے۔ یہ تو پرانی بات ہے۔ بلکہ یہ ساری کتابوں میں مل جاتی ہے۔

حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات تھے اُن کے حلق میں تیر لگا تھا۔ جنگِ خندق نبی کریمؐ نے مسجد نبوی میں خیمہ گاڑ کر انہیں وہاں رکھا۔ پچھنے لگائے گئے۔ جس سے خون کھڑا ہو گیا تھا لیکن انہوں نے خود دعا مانگی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ اگر قریش نے جنگ جاری رکھنی ہے تو مجھے زندہ رکھ کر میں محمدؐ کا اُن سے بدلہ لوں۔ اگر قریش سے جنگ ختم ہو چکی ہے تو میری زندگی بھی ختم کر دے۔ خیبر کی جنگ کے بعد اُن کی رگ پھٹتی ہے۔ اور یہی راز تھا کہ صلح حدیبیہ ہوتی ہے اگر یہ سب مدینے والے خیبر پر حملہ کر دیں اور مکہ والے اُن کا پیچھا کرتے تو مسلمان ختم ہو جاتے مگر رب العالمین نے اپنے پیغمبر سے جو کچھ کروایا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ صلح حدیبیہ کا مقصد یہ تھا کہ صلح کے بعد جب وہ (مسلمان) خیبر پر حملہ کریں تو مدینہ محفوظ رہے۔ خیبر کی فتح کے بعد آپؐ نے مکہ فتح کر لیا۔ حضرت سعدؓ کی وہی رگ پھٹتی ہے۔ اور وہ مر جاتے ہیں۔ اور دنیا سے رحلت فرما گئے۔ مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔

حضرت سعدؓ کی وفات پر عرش معلیٰ ہل گیا تھا۔ ستر ہزار فرشتے اتر آئے۔ جس وقت وہ دفن کر رہے تھے تو نبی کریمؐ نے فرمایا۔ آپ کے بھائی نے کیا کیا؟؟ کہنے لگے کہ دعا مانگو، کیونکہ قبر تنگ ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے؟ فرمایا پیشاب کے چھینٹے سے نہیں بچتے تھے۔ یہ اصحابیؓ تھے مگر پیشاب کے چھینٹوں سے بے احتیاطی کی بنا پر نہ بچ سکے،

جب میں پڑھ رہا تھا تو مجھ سے طالب علموں نے پوچھا تھا کہ صحابیؓ چھینٹوں سے نہ بچ سکا۔ مرقاۃ دیکھی، اشعتہ اللمعات دیکھی اس کا واقعہ کا کوئی ذکر نہیں۔ علامہ ترمذی نے جو تقریر لکھی تھی وہ دو جلدوں میں ہے۔ لکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ اُن کی بیوی کے پاس گھر جاتے ہیں اُس سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا واقعہ ہے اُن کی بیوی نے فرمایا یا رسول اللہ اور تو کوئی بات نہیں مگر ہمارا ایک ریوڑ تھا۔ بھیڑ بکریوں کو جب دوھتے تھے تو بھیڑ بکریاں پیشاب کر دیتی تھیں۔ تو وہ چھینٹیں ان کے ہاتھوں پر پڑتی تھیں۔ مجھے خود یہ تردد ہو گیا تھا کہ اگر یہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتے تو اُن کے کپڑے پاک کیسے رہ سکتے ہیں۔ کپڑے پاک نہیں تو وضو نہیں۔

وضو نہیں تو نماز کیسی؟ اب بات سمجھ میں آگئی ناں کہ بکری بھیڑ کے پیشاب کی وجہ سے یہ معاملہ ہوا۔

روح کے مرکز میں بڑا اختلاف ہے۔ دس بارہ مذاہب کا ذکر ابن قیم نے اپنی کتاب "کتاب الروح" میں کیا ہے۔ لیکن موٹا موٹا جو ہے۔ جس پر اکثریت کا عقیدہ اور اتفاق ہے۔ وہ ہی مرکز ہے۔ یا علیین جو کہ قبر کے ساتھ یا بر لب قبر اور تعلق علیین کے ساتھ۔ اور یہاں سے ہی مقام علیین شروع ہوتا ہے۔ جہاں جس گڑھے میں اس کو رکھا جاتا ہے یہاں سے سجین ساتویں زمین تک چلا جاتا ہے۔ اس سے چل کر آگے ساتویں آسمان پر عرش معلیٰ کی چھت آجاتی ہے اس تک چلا جاتا ہے۔ میری تحقیق ہے اور میں نے لکھ دیا ہے۔ کہ برکت اس میں ہے کیونکہ "التمہید" میں علامہ ابن عبدل برنوی نے اسی طرح لکھا ہے چونکہ روایات سے زیادہ تر جو مواد ملتا ہے وہ قبر میں روح کے بارے میں ہوتا ہے۔ قبر میں روح نہ ہو تو قبر خالی ہوتی ہے۔ روح اوپر چلا جائے تو قبر خالی ہے روح ہمیشہ ہی قبر میں معلوم ہوتا ہے قبر میں رہتا ہے اس کا مرکز یہی ہے مگر اس کا تعلق اوپر رہتا ہے اس کے ساتھ اگر کوئی آدمی قبر پر جائے تو فوراً واپس آجاتا ہے۔ دیر نہیں لگتی۔ بجلی سے روح کی حرکت تیز ہوتی ہے اور یہ حرکات موت کے بعد زیادہ ہو جاتے ہیں۔ نظر دور تک جاتی ہے۔ کان دور تک سنتے ہیں۔

حرکت تیز ہوتی ہے۔ اگر زیادہ ضرورت ہو تو اس کی وضاحت کے لئے انسان اللہ اللہ کرے اسی وقت اس کو مل جائے گا۔ کسی کو ابتدا میں ہو جاتا ہے کسی کو انتہا میں۔ یہ سب میرے رب کے ہاتھ میں ہے آنکھ کا دیکھنا ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ نظر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اندھا پیدا کر دے تو کوئی آدمی اسے درست نہیں کر سکتا۔ نظر کا بخشنا کانوں میں سنوائی رکھتی آنکھوں میں بینائی کا رکھنا میرے رب کے اختیار میں ہے۔ کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں۔ لیکن جس وقت کانوں میں وہ سنوائی رکھ دیتا ہے۔ طاقت رکھ دیتا ہے آنکھوں میں بینائی کی طاقت رکھ دیتا ہے تو اجازت بھی دے دیتا ہے کہ وہ ہر وقت دیکھ سکتا ہے۔ قلب کی بھی یہی طاقت ہوتی ہے۔ آنکھ میں مٹی پڑ جائے، پانی پڑ جائے، آنکھ دُکھ جائے، آشوب چشم شروع ہو جائے تو پھر دیکھنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ قلب کی بھی یہی حالت ہے۔ اس کی آنکھیں بھی ذکر الٰہی سے کھل جاتی ہیں کان بھی کھل جاتے ہیں شنوائی بھی ہوتی ہے۔ اور دیکھنا بھی ہے اور اس میں قوت ارادی بھی ہوتی ہے بوجہ گناہ اس کے پر ٹوٹ جاتے ہیں۔

فرق یہ ہے کہ گناہ کی وجہ سے ہم اسے خراب کر دیتے ہیں۔ جس وقت کسی ڈاکٹر یا کسی حکیم کے پاس چلا جائے اگر وہ واقعی ڈاکٹر یا حکیم ہو، مصنوعی نہ ہو، تو طاقت رکھتی، میرے رب کے ہاتھ میں ہے۔ یہ شیخ کی طاقت سے باہر ہے یہ ایک ایسی چیز ہے جو منجانب اللہ عطا ہوتی ہے۔ کہ روح کی آنکھ کھول دے کان کھول دے، اسی کا اختیار ہے۔ جب آنکھ کھل جائے تو سب ٹھیک ہے ہر وقت دیکھ سکتا ہے۔ اگر گناہ کر بیٹھے، حرام غذا کھا جائے بری مجلس میں بیٹھ کر بری باتیں شروع کر دے تو روح کو کبیر تکلیف ہو جاتی ہے۔ جس وقت وہ فضلات پورے نکل جائیں جو کہ غذا کی صورت میں پیدا ہوئے تھے۔

دوبارہ استغفار پڑھنے سے، ذکر کرنے سے روح سے گرد مٹ جاتی ہے۔ تو وہ روح کی آنکھ سے دوبارہ دیکھنا شروع کر دیتا ہے باقی رہ گئے اعتراضات !!

آج کل میں جہاں بھی جاتا ہوں ہر مولوی سے درخواست کرتا ہوں کہ اس وقت رفض بہت زور پکڑ گئی ہے اگر یہی حالت رہی تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سنی کا نام بھی مٹ جائے گا لہذا علماء کا فرض ہے کہ بذات خود اور طلباء کی توجہ اس طرف مبذول کروائیں۔

کبیر والہ بہت بڑا مدرسہ ہے جب میں کراچی سے ملتان آیا تو وہاں سے میرے پاس رقعے آئے کہ آپ یہاں تشریف لائیں۔ میں نے جواب دیا کہ کل میں نے ایک مقام پہ جانا ہے۔ اس لئے میں ضرور دو، تین گھنٹے مدرسے میں قیام کروں گا۔ حسب وعدہ میں وہاں گیا۔ مدرسہ میں ۱۴، ۱۵ عالم معلمین تھے اور چار پانچ سو طالب علم تھے انہوں نے میری آمد پہ چھٹی کر دی اور ایک کمرے میں جمع ہو گئے میں نے تقریباً دو گھنٹے اس پہ لگائے کیونکہ فارغ التحصیل طلبا کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ ان کا مذہب کیا ہے؟ ہمارے عقیدے کیا ہیں؟ شیعہ فرقہ کیا ہے؟ قادیانیوں کا کیا عقیدہ ہے؟ مدللوں کا کیا عقیدہ ہے خارجیوں کا فرقہ کیا ہے اس وقت خارجی اس دور میں ہے یزید علیہ الصلوٰۃ والسلام، امیر المؤمنین علیہ السلام اب یہ چال ہو چکا ہے۔

میرے دورہ نوشہرہ کے دوران دو مولوی صاحب آئے اور امیر معاویہؓ کے متعلق اعتراضات شروع کر دیئے میں نے کہا آپ امیر معاویہؓ کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہیں۔ آپ تو یزید کا معاملہ چل رہا ہے۔ آپ اس کا تدارک کریں اس کو چھوڑیئے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے اعتراضات کو میں نے کہا کتاب دکھاؤ؟ میں نے بھی امیر معاویہؓ کے حق میں

ایک کتاب لکھی ہے۔

اس وقت خارجیت کا دور ہے ایک دفعہ میں ملتان میں بیٹھا تھا کہ خارجیوں کا ایک وفد آگیا آٹھ دس آدمیوں کا وفد تھا۔ اُن کے ہاتھ میں "الہدیٰ" ابن تحییر اور تاریخ ابن کثیر تھی۔ دسویں جلد نکال کر میرے سامنے رکھ دی جس میں لکھا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کا خروج حکومت کیلئے تھا۔ نہ کہ دین کیلئے۔ اس معاملہ میں مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں نے کہا الھدیٰ مجھے دو۔ میں نے کہا کہ آپ کو شرم نہیں آتی یہ آگے کیا لکھا ہوا ہے؟ شہید حسین، کیا باغی شہید ہوتا ہے؟ باغی کو شہید کون کہتا ہے۔ آپ کو شرم و حیا نہیں آتی کہ آپ امام حسین علیہ السلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ یعنی یزید کی دھڑے بندی کرتے ہو۔

اچھا آپ یہ بتائیے۔ اگر ایک پلڑے پر یزید کو رکھا جائے اور دوسرے پلڑے پر امام حسینؑ کو تو کونسا پلڑا بھاری ہوگا؟ حضرت امیر معاویہؓ نہ تو مہاجر تھے فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے جبکہ امام حسین علیہ السلام تو رسولؐ خدا کے نواسے ہیں

حجاج بن یوسف نے خراسان کے عالم یحییٰ بن یامر سے اُن کی زبانی یہ بات کسی کی وساطت سے سنی کہ وہ کہتے ہیں کہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ رسولؐ کے بیٹے ہیں تو اس پہ حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یامر کے وارنٹ گرفتاری نکال دیئے مگر وہ بھاگ کر بخارا چلے گئے لیکن پولیس انہیں گرفتار کر کے بخارا لے گئی۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں حجاج کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب اُس کو گرفتار کر کے لائے تو میں اس کی جرأت پر بڑا حیران ہوا۔ کہ یہ بہادر دلیر اور حرار ایک ظالم کے سامنے اس طرح کلام کرتا ہے اُس نے حجاج کو سلام نہیں کیا۔

حجاج! میں نے سنا ہے کہ تم حسنؓ اور حسینؓ کو رسول کے بیٹے کہتے ہو!!

عالم:۔ ہاں میں کہتا ہوں کہ یہ رسول کے بیٹے ہیں۔

حجاج! اچھا قرآن حکیم سے اس کا ثبوت لائیے ورنہ میں آپ کا بند بند جُدا کر دوں گا۔ (اہر جوڑ علیحدہ کر دوں گا)

عالم:۔ میں قرآن سے ہی ثابت کر دوں گا۔

حجاج:۔ کہنے لگا اچھا۔ لیکن خیال رکھنا۔

قل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم یہ نہ پیش کرنا۔

عالم:۔ نہیں میں یہ نہیں پیش کرتا اور ساتویں پارے کی آیتیں پڑھنی شروع کر دیں۔

تلك حجتنا اتینها ابراهیم علی قومه۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ صراطٍ مستقیم ٥

انبیاء کا ذکر آتا ہے یحییٰ و عیسیٰ ۔ جس وقت عیسےٰ کا ذکر آیا تو کہنے لگا۔ حجاج !! یہ تو بتلایئے کہ عیسےٰ کا باپ تھا کہ نہیں۔ یہاں اُن کو ابراہیمؑ کے بیٹے کیسے کہا گیا؟ والدہ ہے۔ مائی کی طرف ہی بیٹا کہلایا ناں! بس حجاج مبہوت ہوگیا۔ سر جھکا دیا سر نیچے کر کے حجاج کچھ دیر سوچنے لگا سر اٹھا کر کہنے لگا۔ گویا میں نے اس آیت کو پڑھا ہی نہیں تھا ھَلّوُہُ چھوڑ دو۔ اس کو

دس ہزار درہم انعام دے کر پولیس کو کہا کہ اس کو واپس اپنے مقام پر چھوڑ آؤ میں نے کہا یہ رسول کے بیٹے ہیں یزید کے متعلق نہ پوچھیئے۔ پھر تو میں بھی شروع ہوگیا۔ میں نے کہا روح المعانی میں لکھا ہے کہ یہ شخص رسالت کا قائل ہی نہیں تھا۔ میں نے کبھی اس کے متعلق بحث نہیں کی اور کسی کو کافر کہنے پر تیار نہیں ہوں بدکار ضرور سمجھتا ہوں۔

روح المعانی میں لکھا ہے۔ کہ رسالت کا قائل نہ تھا امام احمد بن حنبل نے لکھا کہ وہ کافر تھا۔ امام شافعی لکھتے ہیں۔

الروض الباسم۔

علامہ وزیر خان نے لکھا پہلے منکر حدیث پیدا ہوئی ہے پہلے کسی دور میں اس حدیث کا انکار کیا تھا۔ علامہ وزیر خاں نے الروض بعث دو جلدوں میں کتاب لکھی ہے۔ اُس میں لکھا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ابلیس ہے امام ابوحنیفہ، بدکار اور بدترین لکھتے ہیں۔ چاروں آئمہ جو ہے جی بے دین لکھتے ہیں۔

امام احمد بن شرف نے لکھا ہے کہ یزید کافر تھا پھر تو میں نے گنتی شروع کر دی۔ چپ کر کے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

جب میں سیالکوٹ پہنچا آدمی آگئے۔ السلام علیکم و علیکم السلام مولوی صاحب آپ عجیب آدمی پیدا ہو گئے ہیں کہ یزید علیہ السلام کو کافر کہتے ہیں! بس بس خاموش یزید علیہ السلام۔ کھاریاں میں بیٹھا ہوں کوئی بریگیڈیئر بیٹھے ہیں۔ حج کا مسئلہ پوچھتا ہے۔ اوپر سے مولوی صاحب آگئے۔ انہوں نے کہا کہ یزید کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا کیا کہتے ہو یزید کو؟ حالات بہت نازک مرحلے پر پہنچ گئے ہیں ہر طالب علم کو معلومات نہیں۔ کبیر والہ میں گیا تو میں نے کہا کہ جب وہ طالب علم باہر نکلتے ہیں تو فاضل ہو کر نکلتے ہیں۔ دستار بندی ہو جاتی ہے۔ مگر اُن کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ شیعوں کا عقیدہ کیا ہے؟ قادیانیوں کا کیا ہے۔ خارجیوں کا کیا ہے؟ ہمارا کیا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ ان کو نہیں۔ میں نے جو تحذیر المسلمین لکھی ہے۔ شیعوں کے عقائد

سے متعلق لکھی ہے۔ ان کو یہ تو پڑھا دیا کریں اچھا تمام کو نہ پڑھائیں مگر جن کو اہل سمجھتے ہو یا جن پہ آپ کا کچھ اعتماد ہے کہ بول سکتے ہیں۔ صحیح یہیں ذہین علماء کا فرض ہے کہ اس وقت سب اختلاف چھوڑ دیں اور رفض کا خیال رکھیں اگر یہ طرز رہی تو اس دفعہ ہم نے محرم میں دیکھی ہے۔ سُنّی مٹ جائے گا۔ تو ذلیل ہو کر رہے گا۔ بہت بُرے حالات ہو رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات اس قدر پیدا ہو رہے ہیں۔

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں اہل سنت و جماعت میں کوئی آدمی ایسا نہیں جو ان علوم سے واقف ہو، علمی میدان بالکل خالی ہے۔ دو، دو، چار، چار وعظ یاد کر کے واعظ گذارہ کر رہے ہیں اس دفعہ مناظرہ میں یہ سوال بھی گزرا ہے کہ کتنے عالم ہیں۔

میں نے یہ سوال عبد الجبار معتزلی کا پیش ہوا جس کا جواب رد لکھا ہے۔ شریف المرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب شافی جو پورے ایک سو سال طبع نہ ہوئی اس کے بعد طبع ہو سکی اسکی تلخیص ابو جعفر طوسی نے لکھی ہے۔ شریف المرتضیٰ سے جواب نہیں بن سکا کہ تقیہ فرض ہے خاص کر اس وقت جب جان خطرے میں ہو امام حسین نے پھر یہ تقیہ کیوں نہ کر لیا چلو آ تو گئے ہی تھے۔ پھر تقیہ کر کے تسلیم کر لیتے ان باقیوں کی جانیں تو ضائع نہ ہوتیں اس کا جواب کسی سے نہیں بن سکا۔ ابو جعفر طوسی نے پھر یہ جواب دیا کہ امام صاحب تو یزید کی بیعت پر تیار تھے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں "ھُوَ ابنِ عمی" وہ تو میرا چچازاد بھائی ہے۔ میں جا کر اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھوں گا۔ لیکن کوفیوں نے نہیں جانے دیا۔ ایسی مبارک چیز مغنی نے بھی لکھا ہے کہ علامہ فضل ابن روزخان نے اس کے جواب میں پھر علامہ شوستری نے لکھا۔

خلافت کا مسئلہ تو ہر ایک کے نام تھا۔

مولوی صاحب نے جج کے پاس مقدمہ کر دیا مولوی صاحب نے مجھے لکھا تو میں نے عبارت نقل کر کے لکھ دی کہ ضرورت ہو تو مجھے پھر بلوا لینا۔ یہ ساری تفصیلات میں نے فقہ جعفریہ میں لکھ دی ہے۔ جس کو ضرورت ہو تفصیل دیکھ لے۔

دُعا سے قبل چائے کا پروگرام تھا۔ اور آخر میں سب کو اپنے منصب اور فرائض کی یاد دہانی کروائی اور دعا کے بعد تمام علماء اور معززین رخصت ہوئے۔

مولانا اشرف الدین صاحب

علماء یوں تو سارے پائے کے عالم حاضر تھے لیکن اشرف الدین صاحب وزیرستان والے اپنی دینی محبت، خلوص، اور تقویٰ میں ایک مقام رکھتے ہیں جس کی وجہ سے کوہاٹ کے عوام اور علمائے دین انہیں خصوصی عزت حاصل ہے۔

۱۶ سال سے محلہ نیازی کی مسجد کے خطیب اور مدرسہ پراچگان میں مدرس ہیں۔

سوال :۔

مولانا صاحب! جب حضرت مولانا اللہ یار خان رحؒ کوہاٹ تشریف لائے تو آپ کو اُن کی ملاقات موقعہ ملا، اور احباب اور علماء بھی تھے یا آپ ہی؟ اور علماء نے کس موضوع پر بات چیت کی۔

جواب :۔

حضرتؒ سے ملنے کے لئے کوہاٹ کے تمام علماء کو دعوت دی گئی تھی۔ اس لئے تقریباً سبھی علماء موجود تھے جن میں مولانا نعیم صاحب احمد گل صاحب صدر مدرس پراچگان اور مولانا نعمت اللہ صاحب، جو قومی اسمبلی کے ممبر بھی رہے ہیں قابل ذکر ہیں۔

ہم سب کی کیفیت تو وہاں پر بالکل ایسی تھی جیسے اولاد اپنے باپ کے سامنے یا شاگرد اپنے استاد کے پاس بحیثیت طفلِ مکتب بیٹھے تھے مولانا نعمت اللہ صرف کبھی کبھی سوال کر دیتے تھے۔ ورنہ تو کسی کو جرأت کلام ہی نہ ہوئی ان کے اپنے مریدین اور شہر کے معززین خاصی تعداد میں موجود تھے۔

سوال :۔

آپ کی پیر صاحبان یا ایسے بزرگان سے یقیناً اس سے قبل بھی ملاقات ہوئی ہوگی۔ اس سلسلے میں آپ نے حضرت صاحبؒ کو کیسے پایا؟

جواب :۔

میں نے اس سے قبل صوبیدار عنائیت اللہ مسعود سے ان کے بارے میں سن رکھا تھا ان کی کتاب دلائل السلوک بھی پڑھی۔ میرے ذہن میں جیسا تصور ان کے بارے میں تھا اُس سے بہتر انہیں پایا بلکہ پہلی نظر جونہی ان کے چہرے پر پڑی ان کی پرکشش شخصیت کا رعب اور خاص کر آنکھوں میں ایک نشہ سا (وہ اب بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے) یقیناً یہ دین کا خمار اور نشہ تھا۔ اُن کا قد، جسم کی ڈیل ڈول ہر چیز متوسط تھی۔

علمی لحاظ سے میرے خیال میں فرقہء باطلہ کا جو تحقیقی علم ان کے پاس تھا۔ ایسا نہ تو ان کی موجودگی میں اور نہ ہی اب کسی کو حاصل ہے۔ اتنے علماء کا ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہی ان کے علم کی دلیل ہے۔

علماء کو اُن کی ذمہ داری، دین کی حفاظت اور خصوصاً باطل فرقے جو اسلام کے خلاف اپنی ناپاک اور خطرناک کوششوں میں کیسے مصروف ہیں؟ شیعہ کے متعلق فرمایا یہ دیمک کی طرح اسلام کو برباد کر رہے ہیں۔ تو آپ لوگ اس کی حفاظت اور تدارک کیا اور کیسے کر رہے ہیں؟ اگر نہیں تو اب اس ذمہ داری کو محسوس کریں،

سوال :۔

تصوف و سلوک کی کیا ؟ اس سے قبل بھی آپ نے کوئی کتاب پڑھی ہے۔ کسی بزرگ سے کوئی تعلق بھی ہے ؟

جواب :۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابیں پڑھی ہیں لیکن سلوک کے جو نقاط و دلائل السلوک میں ہیں وہ کسی اور کتاب میں نہیں دیکھے۔ جہاں تک تصوف و سلوک کے حصول کا تعلق ہے۔ تو میں اس کو حاصل کرنا تو بہت ضروری سمجھتا ہوں لیکن دینی مصروفیتوں کی وجہ سے کہیں نہ جا سکا۔

حضرت مولینا اللہ یار خاں صاحب سے بیعت کرنے کا پکا ارادہ تھا لیکن میری بدقسمتی کہ دوبارہ وہ یہاں تشریف نہ لائے۔ جیسے مثنوی میں مولینا روم فرماتے ہیں ؎

ما ز قرآں مغز را برداشتیم
استخواں بہر سگاں انداختیم

سوال :۔

حضرت سے ملاقات کتب تصوف کے مطالعہ کے بعد کیا آپ نے اس کے حصول کی بھی کوئی کوشش کی ہے۔

جواب :۔

باوجود خواہش کے سستی ہی سمجھیں اللہ اس نعمت سے نوازے۔

> نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے اور پیچھے انسانوں کی تلچھٹ رہ جائے گی جیسے جو یا کھجور کی تلچھٹ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو انکی کچھ بھی پروا (یعنی عزت و حرمت) نہیں ہوگی۔
>
> (بخاری)

مفتی محمد نعیم صاحب :۔

مدرسہ قاضی حسام الدین کے صدر مدرس ہیں کرم ایجنسی کے قبائل سے تعلق رکھتے ہیں آج کل مسجد النور کے خطیب بھی ہیں۔

سوال :۔

حضرت مولانا اللہ یار خاںؒ سے آپ کی بھی ملاقات ہوئی تھی کونسے مسائل زیر بحث آئے تھے۔

جواب :۔

اہلسنت کے بنیادی مسائل زیر بحث آئے نیز شیعہ کے بنیادی عقائد کی وضاحت کی یہ ساری وضاحت ان کے علمی پایہ کا ثبوت ہے۔

آخر میں علماء کو تنبیہہ کی کہ کیا وجہ ہے؟ آپ لوگ دین کے بارے میں سست ہو چکے ہیں اہل سنت کے مسلک کی وضاحت کے بعد اس کو اجاگر کرنے کی ڈیوٹی پر زور دیا۔

سوال :-

اس ملاقات کے بعد آپ کے ذاتی تاثرات کیا ہیں ؟

جواب :-

یقیناً وہ ایک ولی اللہ تھے جن میں ریاکاری نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی اسلام پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ چونکہ اہل کشف کو حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔ ان کا علم مشاہدے والا علم ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارا صرف کتابی علم ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں علم الیقین کی بجائے حق الیقین کمال درجے کا حاصل ہے علم اور تصوف دونوں کے جاننے سے ہی آدمی محقق ہو سکتا ہے۔ بہرحال اُن کی سادگی، پختہ یقین اور علم میں تحقیق سبھی چیزیں بہت عمدہ تھیں۔

مسلم شریعت کما حقہٗ تصوف کے بغیر ناممکن ہے۔ علماء کا اہل تصوف سے تعلق رکھنا بے حد ضروری ہے آج کے علماء کی یہ بے حد سستی ہے۔ شریعت آنکھ کی بصیرت کے مثل ہے جبکہ تصوف سے دل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ آج بھی علماء کو اعتراضات کی بجائے اصل مغز حاصل کرنا چاہیئے۔

حاجی غلام فرید صاحب :-

کھاریاں کے مشہور ساتھی ۱۹۷۲ء سے حضرتؒ سے وابستہ ہیں۔ خلوص اور تقویٰ کی نعمت سے مالا مال ہیں۔ نیز اپنی زندگی کا تمام قیمتی سرمایہ انہوں نے اشاعت دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اللہ ہم سب کو ان کا سا جذبۂ دینی نصیب فرمائے۔

سوال :-

قبلہ حاجی صاحب آپ حضرتؒ سے کیسے وابستہ ہوئے اور اس تعلق سے بعد آپ نے کیا اثرات محسوس کئے ؟

جواب :-

میں ۱۹۷۲ء میں حج پر گیا۔ اس وقت تک کسی سلسلے سے منسلک نہیں تھا۔ لیکن دل میں خواہش تھی کہ کسی اللہ والے کا دامن پکڑ کر صراط مستقیم پر گامزن ہو سکوں۔ حج سے واپسی پر صوبیدار صادق صاحب نے اللہ اللہ کرنے کی دعوت دی بات دل میں اتر گئی اللہ کی رضا کے لئے جب ذکر شروع کیا تو یقین ہو گیا۔ یہ مخلص جماعت ہے شروع ہی سے اللہ کے نام کی برکات محسوس ہونے لگیں نماز کی پابندی دونوں وقت کا ذکر۔ حتیٰ کہ نماز تہجد بھی باقاعدگی سے نصیب ہونے لگی۔ اور زیادہ سے زیادہ ذکر کرنے کی تمنا دل میں پیدا ہو تی گئی۔ اور پھر ایک مکان ذکر اللہ کے لئے وقف کر دیا جہاں باقاعدگی سے یہ سلسلہ اب تک چل رہا ہے۔ بے شمار لوگ یہاں سلسلۂ نقشبندیہ سے متعارف ہوئے۔ داڑھیاں رکھیں جن کی زندگی بدل گئی اس جماعت کے متعلق میرا خیال ہے ایسی

جماعت محبت وایثار والی کہیں دنیا میں ملتی محال ہے۔

سوال:۔
حضرت کے بارے آپ کچھ مزید فرمائیں گے؟

جواب:۔
حضرتؒ سخیوں کے بادشاہ تھے اپنے شاگردوں کے بے حد ہمدرد۔ ہم انہیں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ ہمدرد پاتے تھے۔ دکھ درد میں شریک گھر کے کاموں میں ہمدردانہ مشورہ علمی لحاظ سے حضرت علم کا ایک سمندر تھے۔ جن کے علم سے آنیوالی نسلوں کی پیاس بجھتی رہے گی۔ بڑے بڑے عالم بھی ان کی عالمانہ گفتگو پہ دنگ رہ جاتے تھے لیکن اب سوائے یادوں کے اور تو ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔

سوال:۔
حضرت کی کوئی نصیحت یا تعلیمات آپ کچھ بیان کرسکیں گے؟

جواب:۔
حضرت دونوں ٹائم ذکر کی تلقین فرماتے تھے کہ جب تک آپ زندہ ہیں ذکر ہر حالت میں کرنا ہے فرمایا لا الہ الا اللہ کی کثرت سے اللہ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ کے ساتھ تعلق پختہ ہو جاتا ہے۔ اور دل میں کل کل نہیں رہتی۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں بے چینی نہیں رہتی۔ رات کو سوتے وقت گیارہ دفعہ سورہ اخلاص پڑھ کر سو جانے کی تلقین فرماتے تھے۔ نیز اکثر احباب کو فرمایا کرتے تھے۔

"فقیر اللہ دیاں بوٹیاں، دل جاگدے تے اکھیاں نوٹیاں" فرماتے تھے سورۃ ملک رات کو سوتے وقت پڑھ کر سوئیں۔ سورہ ملک پڑھنے سے قبر کے عذاب سے نجات ہو جاتی ہے۔ رات کو تہجد کے لئے جب اٹھیں تو بستر پہ ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھ کر اٹھیں۔ یاد رکھیں تہجد کی نماز بہت بڑی عبادت ہے۔ اسے نہ چھوڑا جائے اور دل پہ خیال کر کے ہر وقت اللہ ہو کا ذکر کرتے رہیں۔ نیز فرمایا کاروبار کے لئے میں منع نہیں کرتا لیکن کچھ وقت صبح وشام اللہ اللہ کے لئے دے دیں۔ فرمایا قضا نمازیں ضرور لوٹائیں۔ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز پڑھ لیا کریں یہ طریقہ بہت بہتر ہے حرام سے بچیں اور فضول باتوں سے پرہیز کریں اس سے بہتر ہے کہ دل میں اللہ ہو کا ذکر کرتے رہیں۔ لوگوں کو ذکر کی دعوت دیا کریں اور خود بھی ذکر کے پابند ہو جائیں اپنے گھر والوں کو خاص طور پہ نماز اور ذکر کی دعوت دیں۔ فرمایا عورتوں کو گھر میں ذکر کرایا کریں وہ بھی حلقے میں شامل سمجھیں جائیں گی۔

سوال:۔ حضرت کے ساتھ آپ کو کافی عرصہ نصیب ہوا ہے۔ مزید کوئی ہدایات ذکر وغیرہ کے

بارے آپ بیان فرمائیں گے یا زندگی کا کوئی اور واقعہ

جواب :- ایک دفعہ حضرت ایبٹ آباد سے آگے شنکیاری کے دورے پر تشریف لے گئے ایک مولوی صاحب آئے اور آتے ہی فرمایا یہ جو آپ سانس کے ساتھ ذکر کرتے ہیں یہ بدعت ہے آپ نے جواب میں فرمایا اچھا یہ بتاؤ سانس لینا بدعت ہے یا اللہ کا نام لینا بدعت ہے۔ اگر تو سانس لینا بدعت ہے تو سب سے بڑا بدعتی تو خود ہے۔ جو سانس لیتا ہے اور اگر اللہ کا نام لینا بدعت ہے تو ساری اُمت بدعتی ہو گی۔ کیونکہ ساری امت اللہ کا نام لیتی ہے جب بیعت کا وقت آیا تو وہ مولوی صاحب سب سے آگے آئے آپ نے فرمایا آپ تو ابھی اعتراض کر رہے تھے۔ فرمانے لگے حضرت آپ کے علم سے میں بہت متاثر ہوا ہوں اب اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ کہ آپ کی غلامی کر لوں حضرت رح بہت خوش الحان تھے۔ فرماتے تھے۔ جوانی میں جب میں قرآن پڑھتا تھا آواز میں اتنی کشش تھی میں کہتا تھا کہ پرندے بھی کھڑے ہو جائیں گے۔

جوانی کے وقت کا ایک واقعہ ہے آپ سناتے تھے کہ ایک دفعہ ہم کسی مسجد میں ٹھہرے پڑوس میں ہندو کی شادی تھی اور شادیانے بجا رہے تھے عشاء کے وقت میرے دل میں خیال آیا آج قرآن کا معجزہ آزمائیں۔ میں نے عشاء کی نماز میں جب قرات شروع کی میری آواز اتنا بلند اور سریلی تھی۔ کہ ہندوؤں نے شادیانے بند کر دیئے اور گئی لوگ رونے لگے۔

ایک دفعہ میں صبح کی نماز کسی مسجد میں پڑھا رہا تھا مسجد کے پاس سے ایک نوجوان گزرا جو لڑکی کو اغوا کر کے لے جا رہا تھا۔ جب اس نے قرآن کی آواز سنی اس کے قدم رُک گئے جب نماز ختم کی تو میرے قدموں میں آ کے گر گیا اور رو کر پورا واقع سنایا۔ مَیں نے اس سے کہا لڑکی کو واپس اپنے ماں باپ کے پاس بھیج دو۔

ایک مرتبہ میں حضرت رح کے پاس سیالکوٹ اکیلا بیٹھا تھا۔ بھٹو کا دور تھا۔ اور میں بہت پریشان تھا۔ میری پریشانی دیکھ کر حضرت رح نے فرمایا صدی کے شروع میں اور آخر میں مصائب آتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ ختم ہو جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کریں انشاء اللہ تعالیٰ بھوک کی کمی نہیں ہو گی۔ روزی میرا رب دے گا۔ کبھی یہ سنتے تھے کہ فقیروں کی محفل بڑی عجیب ہوتی ہے۔ بڑے بڑے دربار لگتے ہیں لیکن حضرت رح کی محفل میں آ کر پتہ چلا کہ اولیاء اللہ کے دربار اس طرح ہوتے ہیں آپ کا طرز تعلیم بڑا عجیب تھا۔ جب بھی آپ تعلیم فرماتے تو ایسا انداز اختیار فرماتے ہر آدمی یہ سمجھتا کہ یہ حکم میرے لئے

ہے۔ اور مجھے ہی تعلیم دی جا رہی ہے۔ مثلاً آپ نے ذکر کی کی تلقین فرمائی۔ آپ فرماتے تھے۔ ہمارے ساتھی جہاں بھی ذکر کراتے ہیں ایک آگ لگا دیتے ہیں۔ قلب والا ساتھی بھی جہاں ذکر کرائے۔ لوگوں کو ضروری فائدہ ہوگا۔ اور اُن کے لطائف روشن ہونے شروع ہو جائیں گے۔ سلوک کے متعلق عوام کو پتہ ہی نہیں تھا کہ لطائف کیا ہوتے ہیں۔ اور منازل بالا کیا ہیں؟ کس طرح طے کئے جاتے ہیں؟؟

حضرت کا معمول تھا کہ شام کے بعد ذکر کراتے اور سحری کے وقت تہجد کے بعد ذکر کراتے تھے اور جب آپ ذکر کے دوران خطبہ پڑھتے تھے بعید لوگ روتے تھے۔ اس طرح ایک عجیب لذت محسوس ہوتی تھی۔ جب آپ مراقبہ مُوتُو قبل ان تَمُوتُو کا کراتے تو لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے اور ایک عجیب احساس دل میں پیدا ہوتا۔ جب بھی کوئی ساتھی مسئلہ پوچھتا تو آپ اس کتاب کا حوالہ دیتے اور وہ عبارت زبانی پڑھ کر سناتے۔ مسئلے کا حل سب سے پہلے آپ قرآن پاک پھر حدیث پاک اور اس کے بعد فقہ کی کتابوں کا حوالہ دیکر بتاتے اور ایسا جواب ارشاد فرماتے کہ لوگ حیران رہ جاتے اسی طرح کئی واقعات ہیں جو میرے ذہن میں ثبت نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

مولٰینا محمد انیس الودود صاحب عباسی :۔

انیس الودود صاحب پشت ہا پشت سے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد مکرم رح مولٰینا حسین علیؒ واں بھچراں اور والدہ مکرمہ مولانا حسین احمدؒ سے بیعت ہیں۔ ان کا اپنا تعلق مولٰینا عبدالغفور مدنی رح سے تھا جن سے قلب کا اجرا ہوا۔ ان کے وصال کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانی نے انہیں چاروں سلاسل میں بیعت فرمایا۔ مولانا لاہوری رح کے ایک مرید سے حضرت المکرم رح کے متعلق تفصیلات سنی تو دلائل السلوک پڑھی۔ دل بے چین ہوا۔

وللقلب على القلب دليل حين يلقيه

اور ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے ۔

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

سوال :۔ انیس صاحب آپ کے آباؤ اجداد بھی شریعت و طریقت سے وابستہ رہے ۔ ظاہری و باطنی ہر دو علوم کے ماہر تھے۔ پھر آپ کا اسی سے قبل بھی چونکہ ایسے بزرگوں سے رابطہ رہا ہے۔ تو آپ جب حضرت رح سے ملے تو انہیں کیسے پایا؟

جواب :۔ حضرت جی رح سے ملنے پر میری قلبی کیفیات کچھ مجنون سامری سے کم نہ تھیں۔ چنانچہ

میں ان کیفیات کو مولانا رومیؒ کے اشعار سے بطور استشہاد پیش کرتا ہوں۔

نہ من بیہودہ گرد کوچہ و بازار می گردم
مزاج عاشقی دارم پئے دیدار می گردم
گہے افتم گہے خیزم گہے گریم گہے خندم
مسیحا در دلم پیدا و بیمار می گردم
چو شد منظور قتل من تغافل چیست اے قاتل
کہ سر بر کف کفن بر دوش، گرد دار می گردم
بیا شاہا عنایت کن جلال الدین رومی را
غلام شمس تبریزیم قلندر وار می گردم

حضرتؒ کو جیسے سنا تھا بالکل اسی طرح بلکہ اس سے کبھی بڑھ کر خوبیاں والا پایا۔ اکثر پیر حضرات کے گرد بیابان کے انبوہ جس طرح دکھائی دیتے ہیں یہاں وہ معاملہ نہ تھا بلکہ آپ کے خوشہ چیں اہل علم اور ذی شعور لوگ تھے۔ حضرتؒ میں شیخ کامل کی تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ علمی میدان میں قلزم بے کنار۔ حافظہ قدرت نے ایسا عطا فرما رکھا تھا کہ ابن حجرؒ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ایک ایک موضوع پر نہ صرف کئی کتابوں کا نام بلکہ حوالے کی عبارات تک ایسے بیان فرماتے گویا کھلی کتاب سامنے رکھی ہوتی ہے۔ اکثر معتقدین کی ان کتب کے حوالے پیش فرماتے۔ جن کا اس سے قبل ہم نے کبھی نام ہی بمشکل سنا تھا۔ مگر انہیں ان سب پر مکمل عبور حاصل تھا۔

بعض دفعہ فرماتے ہنود کی کتابوں کا بھی میں نے مطالعہ کیا ہے۔ اور میں ان کی زبان بھی جانتا ہوں کتابیں اب بھی میرے پاس ہیں۔ لیکن پڑھنا مشکل ہے جب کوئی کتاب دیکھتا ہوں تو مصنف سامنے آجاتا ہے۔ اسے آگ میں جلتا دیکھ کر طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ لہذا کتاب رکھ دیتا ہوں۔ علم حافظہ اور ساتھ ہی اتباع سنت کا بے حد اہتمام تھا ۔

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی است
واللہ کہ سیرابی از و تشنہ لبی است
(حضرت شاہ ولی اللہؒ)

مناظرہ کے میدان میں دیکھا جائے تو تمام مناظرین کے استاد تھے صرف و نحو منطق فلسفہ سب پر مکمل عبور تھا۔ ساری عمر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموس کی حفاظت میں صرف فرما دی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ عطا ہوا ہے یہ سب صحابہؓ کے طفیل ملا ہے۔ ہمیشہ ناموس صحابہؓ کی خاطر فرقہ باطلہ سے لڑا ہوں اور آئندہ بھی لڑتا رہوں گا۔

مکاشفات حضرت کے بیشتر تلامذہ کو بھی حاصل ہیں۔ خود شیخ اس میدان میں کیسے تھے۔ شاگرد سے ہی یقیناً استاد کا پتہ چلتا ہے۔ دار العرفان کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے محراب میں بجانب قبلہ کھڑے لکڑی پر دونوں ہاتھ ٹیکے ہوئے تھے قاضی صاحب

بھی ساتھ کھڑے تھے دونوں کچھ دیر مراقب رہے قاضی صاحب نے فرمایا رُخ بالکل صحیح ہے۔ آپ فرمانے لگے بیت اللہ کا دروازہ بالکل ہمارے سامنے ہے۔

ایک مرتبہ مغرب کی نماز پڑھائی تو حجرہ شریف کی جانب جاتے ہوئے ناراضگی کے لہجے میں فرمایا وضو کے بارے احتیاط کیا کرو۔ دو آدمی نماز میں ایسے تھے جنکا وضو نہیں تھا۔" لیکن اب ایسی ہستی کو کوئی کہاں سے ڈھونڈے۔

سعدی ثنائے تو نتواند بہ شرح گفت
خاموشی از ثنائے تو ثنائے تست
وہ اُٹھے درد اُٹھا حشر اُٹھا
مگر دل ہے کہ بیٹھا جا رہا ہے !
جلوہ بقدرِ ظرفِ نظر دیکھتے رہے
کیا دیکھتے ہم ان کو مگر دیکھتے رہے
(جگرؔ)

حکیم محمد صادق صاحب :-

حکیم صاحب حضرت کے ابتدائی دور کے روحانی شاگردوں میں سے ہیں۔ صاحب مجاز، نیک سیرت خوش طبیعت اور صاحب بصیرت ضلع جھنگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن آج کل لاہور میں حکمتِ جسمانی اور روحانی ہر دو کام کر رہے ہیں۔ اللہ نے کشف و مشاہدہ روحانی کلام جیسی کئی نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ تبلیغ میں بھی عرصہ رہ چکے ہیں۔

سوال :- حکیم صاحب آپ تو صاحب بصیرت احباب میں سے ہیں۔ حضرت اکثر روحانی کلام کرواتے ہوئے آپ کو بھی اس جماعت میں شامل کیا ہوا تھا۔ تو حضرتؒ کے متعلق آپ کچھ فرمائیں گے کہ روحانی طور پر حضرت کا مقام آپ نے کیا پایا؟

جواب :- غالباً ۱۹۶۳ء کا واقعہ ہے۔ ڈالوال راجہ یوسف صاحب کے مکان پر حضرت تشریف فرما تھے مولینا فضل حسینؒ صاحب لاہور والے بھی موجود تھے۔ مجھے خیال آیا نہ جانے حضرت کا روحانی مقام کیا ہے؟ چند لمحے بعد حضرتؒ میری طرف متوجہ ہوئے فرمایا حکیم صاحب داتا صاحبؒ کے پاس کبھی گئے ہیں؟ عرض کی کئی مرتبہ! فرمایا اب میرے قلب پر خیال کر کے چلو! حضرت کے قلب سے ایک تیز ستارہ چمکتا دیکھا۔ میں اسی کے ساتھ داتا صاحب کے مزار پر حاضر ہو گیا؟ حکم ہوا اپنا اسلام عرض کرو، حضرت داتا صاحب تشریف فرما تھے سلام کا جواب دیا۔ پھر حکم ہوا اب میرا اسلام پہنچاؤ معاً داتا صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد کبھی میرے دل میں حضرتؒ کے مقام و مرتبہ کا خیال نہیں آیا۔

اسی طرح ۱۹۷۳ء میں حج کے موقعہ پر حضرتؒ

کے ساتھ روضۂ اطہر پر حاضری نصیب ہوئی۔ احباب کی تجدید بیعت کرائی گئی۔ انعامات عطا ہوئے حضرت کو سنہری تاج پہنایا گیا اور پہلی صف میں کرسی پر بٹھایا گیا۔ پھر حضرتؒ کے متوسلین پر نگاہ پڑی سب کے سب مسجد نبوی میں حاضر تھے۔ اور تا حدِ نگاہ دکھائی دے رہے تھے۔ بعض اوقات اجتماع میں حضرت کے ساتھ احادیث پڑھانیوالوں کو سفید کبوتروں کی صورت میں دیکھا۔ ساتھ ڈار کی صورت میں اتر رہے ہیں۔

ایک مرتبہ لاہور کے دورے پر حضرت جیؒ نے مجھے اور حافظ غلام جیلانی صاحب کو مولانا لاہوریؒ کی قبر پر بھیجا۔ وہاں حضرت لاہوریؒ سے ہم نے دریافت کیا۔ حضرت جب استاد چکڑالہ سے چلتے ہیں تو آپ لوگوں کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ استقبال کرتے ہیں۔ جواب سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے مثال سے وضاحت فرمائی رات سٹیشن پر کھڑے مسافروں کو روشنی سے گاڑی کی آمد کا جس طرح پتہ چلتا ہے۔ بعینہٖ استاد جس طرف کا ارادہ فرماتے ہیں تو قلب کے انوارات سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے۔

حضرتؒ کا مقام میری اور آپ کی سمجھ سے بہت ہی بلند ہے اور روز بروز اب بھی اس میں ترقی ہو رہی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے۔

حافظ غلام جیلانی صاحب چکوال

حضرتؒ کی معیت انہیں پچیس سال نصیب رہی ہے

بڑے کرم کے ہیں یہ فیصلے
بڑے نصیب کی ہے یہ بات

اس جماعت کی تقریباً ابتدائی سے حضرتؒ سے وابستہ ہوئے جبکہ ساتھ رہنے پیدل اور بسوں میں سفر کرنے کے بے حد مواقع میسر آتے تھے۔ پھر انہیں روحانی کلام اور کشف و مشاہدہ کی وجہ سے بھی حضرتؒ کا زیادہ قرب نصیب رہا۔ اور اب صاحب مجاز ہیں ظاہری و باطنی خیر کثیر سے نوازے گئے ہیں۔ آخر میں آن سے قارئین کی ملاقات کروائی جاتی ہے۔

سوال:۔

حافظ صاحب آپ حضرتؒ کی زندگی کے ہر پہلو سے واقف ہونگے۔ کسی خاص پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔ مثلاً سفر میں حضرت کا رویہ؟

جواب:۔

حضرتؒ بحیثیت ہمسفر غالباً ۶۹ء کی بات ہے کہ حضرتؒ نے کراچی کے ساتھیوں کے اصرار پر کراچی جانے کا پروگرام بنایا۔ چکوال آئے ہوئے تھے۔ عشاء کے بعد خصوصی محفل ہوئی تھی۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ میں اپنے ساتھ کسی ایسے ساتھی کو لیجانا

چاہتا ہوں۔ جس کے پاس ریڈیو سیٹ بھی ہو۔ اور ٹی وی سیٹ بھی !!

مجھے منتخب فرمایا گیا۔

حضرت نے پنڈی کے ایک ساتھی کو لکھا کہ کراچی کے لئے دو سیٹ ریزرو کرانا اور خیال رہے کہ دونوں برتھ اوپر آمنے سامنے ہوں بے شمار ساتھیوں نے ہمیں پنڈی سے الوداع کہا۔ گاڑی روانہ ہوئی۔ میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں حضرتؒ کے ساتھ بیٹھا حضرتؒ کی توجہ کے خزانے لوٹتا نازاں و فرحاں دنیا و مافیہا سے بے خبر جا رہا تھا۔ جب گاڑی جہلم کے قریب پہنچی تو حضرتؒ نے فرمایا تمہیں بھوک لگی ہوگی کھانا نکالو۔ میں نے ٹفن کیریر کھول کر اپنی گود میں رکھا۔ حضرتؒ نے لقمہ اٹھایا حضرتؒ نے فرمایا تم بھی کھاؤ عرض کی آپ کھالیں میں بعد میں کھالونگا۔ آپ نے فرمایا نہیں ساتھ کھاؤ۔ ہم لوگ جو تبرک کے ایک ایک لقمے کو ترستے تھے۔ حضرتؒ کے ساتھ کھا رہا تھا۔ زہے نصیب۔ ٹائم ٹیبل پاس تھا۔ اس لئے گاڑی کے رکنے اور نماز کے وقت کا خیال رکھا جاتا۔ ساری نمازیں گاڑی سے اتر کر با جماعت پڑھی گئیں۔ جب گاڑی خانپور پہنچی تو سحری کا وقت تھا پلیٹ فارم پر اترے گاڑی کافی دیر کھڑی رہی حضرتؒ نے تہجد کے دو نفل پڑھے میں یہ سمجھا صبح ہو گئی ہے۔ میں نے سنتیں پڑھیں۔

جب حضرت اٹھے دوبارہ نفل ادا کرنے کیلئے میں نے فوراً تکبیر شروع کر دی۔ آپ نے فرمایا ابھی تو سویر ہے میں تو تہجد پڑھ رہا ہوں۔ اس واقعہ کو حضرتؒ نے کراچی جاکر ازراہ مزاقاً ساتھیوں کو بتایا۔ حضرتؒ بہت خوش تھے ساتھی ہنسے اور مجھے بہت لطف آیا۔ میں اب بھی اس واقع کو دہرا کر لطف حاصل کرتا ہوں۔ آٹھ دن کراچی قیام ہوا واپسی پر قریباً دو سو ساتھیوں نے الوداع کہا ساتھی میری قسمت پر رشک کرتے تھے۔ بعض نے تو اظہار بھی کیا۔ واپسی پر برتھ پر سامان اور تھیلے رکھے تھے۔ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے سکڑ کر لیٹا۔ حضرتؒ نے ٹانگیں لمبی کیں تو ایک اتفاق سے حضرت کا پیر ٹکرایا۔ میں نے فوراً اٹھا لیا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور اس کا نقد انعام مجھے ملا۔ آپؒ نے فرمایا عرشی منازل میں تمہیں کچھ پتہ چلتا ہے کون کون آگے جا رہا ہے۔ اور کہاں کہاں ہے۔ میں نے خیال کیا تو معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کسی نے تاریکی میں بیٹری لگا دی ہو۔ ایک ایک ساتھی صاف اور واضح نظر آرہا تھا۔ میں نے چھ ساتھیوں کی نشاندہی کی ان کے مقام کا تعین کیا۔ اپنا بھی بتایا آپؒ نے فرمایا تم بالکل صحیح سمجھے ہو۔ پھر حضرتؒ بعض ساتھیو

کی عادات، معاملات کا ذکر فرماتے رہے۔ ان میں سے میں ذاتی طور پر چند ایک کو جانتا ہوں میں نے دیکھا۔ کہ حضرت کی کتنی گہری نظر ہے۔ اس کے بعد میں زیادہ محتاط ہو گیا۔ اسی طرح بے شمار سفر حضرت رح کے ساتھ کئے طوالت کے سبب ان کا اظہار ان صفحوں پر مشکل ہے۔

سوال ۲:۔ حضرت کے ظاہری مقام تو سب واقف ہیں آپ صاحب کشف ہوتے ہوئے ان کا مقام اولیاء اللہ کی نظر میں کیا تھا۔ اس کے بارے کچھ فرمایئے؟

جواب ۲:۔ حضرت رح کا مقام اولیاء اللہ کی نظر میں صاحب کشف ساتھی خوب جانتے ہیں کہ حضرت رح کا مقام اولیاء اللہ کی نظر میں کیا ہے اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ مثلاً لنگر مخدوم حاضری کے موقع پر حضرت شاہ صاحب (جھنگڑ شریف والے) کی خدمت میں حضرت رح کی معیت میں حاضر ہوئے ایک مقدمے میں ملوث ایک شخص کو پیش کیا گیا کہ حضرت دعا فرمایئے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ دعا فرمائیں میں آمین کہتا ہوں حضرت رح نے فرمایا آپ دعا فرمائیں کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں۔ دعا فرمائیں میں آمین کہوں گا بہت بحث و تکرار کے بعد حضرت رح نے دعا فرمائی اور حضرت شاہ صاحب نے آمین کہی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت رح مستجاب الدعوات تھے اسی طرح جب بھی کسی غرض سے کسی ولی اللہ کی خدمت میں حاضری ہوتی اور حضرت رح کا پیغام یا نام لیا جاتا وہ فوراً دست بستہ کھڑے ہو جاتے۔ حضرت رح سفر میں گاڑی پر سوار کہیں سے گذر رہے ہوتے تو پندرہ بیس میل سے زیادہ فاصلے تک صاحب مزار ولی اللہ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک حضرت رح آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جاتے۔ ایک دفعہ حضرت رح ایک سفر پہ جا رہے تھے ایک صاحب کشف ساتھی جو ہمراہ تھا اس نے نشاندہی کی کہ حضرت رح فلاں صاحب دست بستہ کھڑے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ آپ سے بیشمار لوگوں نے فائدے اٹھائے ہیں میری طرف بھی نظر کرم ہو۔

حضرت نے انہیں آگے چلایا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

سوال ۳:۔

علمی لحاظ سے حضرت کا مقام کیا تھا؟ اس کے متعلق بھی آپ کچھ فرمائیں گے؟

جواب ۳:۔

حضرت رح کا علمی مقام

ہم جب جماعت میں شامل ہوئے تو حضرت رح کی خدمت میں بیٹھ کر دم بخود ہو جاتے جب آپ

کسی مسئلے کی نشاندہی کتابوں کے نام ان کے مصنف اور صفحے کا تذکرہ فرماتے۔ خداوند کریم نے علم باطنی کے ساتھ علم ظاہری میں وہ مقام بخشا کہ اتنی زندگی میں کوئی اور شخص ایسا نہیں دیکھا آپ کی محفل میں علماء طفل مکتب نظر آتے۔

حافظے کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی مسئلہ پر کئی کتابوں کے مصنفوں کے نام اور صفحوں کے صفحے کے حوالے دیتے جاتے حضرت رح نے ایک بار فرمایا کہ ایک غیر ملکی لائبریریوں کی تلاش میں میرے پاس آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے آپ کے پاس کچھ کتابیں ہیں کیا آپ کے پاس تفسیر کی کچھ کتابیں ہیں اور کون کونسی میں نے کہا لکھو۔ بیس تفسیریں زبانی میں لکھوائیں۔ حیران رہ گیا۔ کہا ان سب کو آپ نے پڑھا ہے میں نے کہا کئی کئی بار۔ بلکہ ہر صفحے پر میرے نوٹ موجود ہیں۔ فرماتے تھے کہ روزانہ جب تک میں ۸۰ یا سو صفحے مطالعہ نہ کر لوں تو مجھے چین نہیں آتا۔

قارئین کرام! سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا فرمان ہے۔ اللہ کریم مجھ سے جب پوچھیں گے عطاء اللہ!! دنیا سے کیا کما کے لائے ہو۔ تو عرض کروں گا۔ مولا تیرے ایک نیک بندے مولینا سید انور شاہ کاشمیری رح کی زیارت کر کے آیا ہوں۔ حساب کتاب کے بعد ایک وقت آئیگا کہ نیکوں کی واقفیت بھی جہنم سے نکلنے کا سبب بن سکے گی

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں حضرت المکرم رح کی زیارت صحبت و معیت، اصلاح ظاہری و باطنی تربیت، اعمال صالحہ فکر آخرت، رضائے رب کو پالینے کی تڑپ، شیطان کے دام فریب اور نفس کی فریب کاریوں کو سمجھنے اور بچنے کا طریقہ عقائد کی الجھی ڈور سے اس دور میں اصل اور صحیح عقائد کی نشاندہی حضور رحمت تمام ؐ کے دربار کی حاضری، زیارت، حضور ؐ سے ہمکلامی خود آقا ؐ سے اعمال صالحہ اور سعی للدین پر شاباش یا بعض ہدایات روحانی بیعت اور کتنے ہی ایسے انعامات سے نوازا گیا، معرفت ربی اور رضائے الٰہی کے حصول کا طریقہ، کیا کیا نہیں عطا ہوا۔

ہم لوگ جتنا بھی اللہ کریم کا شکر ادا کریں کم ہے۔ کہ جس نے اس نیک ہستی سے فیضیاب ہونے کے لئے خود مخلوق میں سے سب کو چن کر یہ موقعہ نصیب فرمایا۔ جس کے جنازے میں شرکت مغفرت کا سبب بنی اسکی زندگی میں حضوری اور خدمت سے کیا کچھ نہیں ملا ہوگا۔ ع۔

بڑے نصیب کی یہ ہے بات

لیکن اس نعمت کی حفاظت کم از کم قبر تک کرنا ہوگی اور انعام یافتہ لوگوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ہوگا۔ اللہ استقامت نصیب فرمائے اور

خاتمہ بالایمان ہو۔

مختار احمد اعوان

شیخ المکرمؒ کی ایمان افروز محفلیں

؎ وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

اہل علمائے اخلاق کا کہنا ہے کہ کمال وہ ہے جو متعدی بہ غیر ہو۔ سورج کا کمال یہ نہیں کہ وہ روشن ہے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ روشنی پھیلاتا اور منور کرتا ہے۔ اسی طرح اہل کمال جہاں ہوتے ہیں اور جس حل میں ہوتے ہیں۔ فیض پاشی کرتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت شیخ المکرمؒ کی محفلوں میں ہر قسم کے موضوع زیر بحث آیا کرتے تھے۔ اور ہر موضوع پر حضرت کے ارشادات علمی عملی اصلاحی اور تربیتی عنصر لئے ہوئے ہوتے تھے۔ حضرتؒ کی کچھ محفلوں کا ماحصل پیش خدمت ہے۔

۱:- ۱:- اجماع دارالعرفان ۱۹۸۲ئہ میں ایک موقع پر جسم مثالی کا ذکر آگیا تو فرمایا۔ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ جسم مثالی نہیں ہوتا۔ صورت مثالی ہوتی ہے۔ عقل سے کام لو دیکھو اللہ کریم نے فرمایا وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ گویا قانون الٰہی یہ ہوا۔ کہ سزا کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب رسول بھیج کر حقوق و فرائض سے آگاہ کر کے ایک ذمہ داری سونپی جائے۔ تو کیا جسم مثالی کی طرف کوئی مثالی رسول بھیجا گیا۔ پھر یہ سوچو کہ جسم مثالی کا مادہ کونسا ہے۔ نوری ہے ناری ہے۔ خاکی ہے کیا ہے؟ جسم مثالی کیا مکلف ہے؟ اگر نہیں تو جزا اور سزا کونسا انصاف ہے۔

۲:- کہتے ہیں بیت المقدس میں انبیاء کے اجسام مثالی حاضر ہوئے تھے۔ شیخ الباری میں ہے کہ حضور اکرمؐ کے استقبال کے لئے انبیاء کو حاضر کیا گیا الفاظ ہیں بعثت اللہ آدم ومن دونہ من للانبیاء یہ معاملہ فرق عادت کا ہے۔

۳:- حدیث کا یہ مضمون کہ جب درود پڑھا جائے۔ تو روح کو لوٹایا جاتا ہے۔ یہ بار بار لوٹانا سمجھ میں نہیں آتا۔

فرمایا۔ زرقانی میں اس پر خوب بحث کی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

(i) اعادہ روح کے لئے حیات لازم ہے۔

(ii) یہاں ذکر ملزوم کا ہے۔ مراد لازم ہے۔

(iii) حیات کو کلام لازم ہے۔

(iv) ذکر اعادہ روح کا کیا گیا۔ مراد حیات ہے۔

۳:۔ مذہب حق کا ذکر چھڑا تو فرمایا۔

۱:۔ مذہب تعامل امت کا نام ہے۔ چند روایتوں کا نام مذہب نہیں۔

۲:۔ تعامل امت کیا ہے۔ تعامل صحابہؓ، تعامل تابعین، تعامل تبع تابعین۔ یہ خیر القرون ہے۔ یہی سواد اعظم ہے۔

۳:۔ میدان قیامت میں جہاں اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔ وہاں اس کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ کیا تم نے سواد اعظم کا ساتھ دیا۔

۴:۔ جو تعامل صحابہ سے ہٹ گئے وہ سواد اعظم سے کٹ گئے اور وہ اسلام سے خارج ہوگئے

(۴) لوگ کہتے ہیں کیا صحابہ معیار حق ہیں؟

فرمایا۔ کیا قرآن معیار حق ہے؟

اگر یہ معیار حق ہے تو قرآن پہنچایا کس نے؟

اگر پہنچانے والے جو چشم دید گواہ ہیں وہ معیار حق نہیں تو قرآن کیونکر معیار حق ہوگا۔ صحابہ کی تنقیص سے قرآن پر ایمان رہ ہی نہیں سکتا۔

دنیا میں اسلام سے کٹ کر جتنے فرقے ایجاد ہوئے ہیں۔ ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان سب نے پہلے مرحلہ پہ صحابہ کو تنقیص کا ہدف بنایا۔ صحابہ کی جماعت دراصل اسلام کے قلعے کی فصیل ہے اس فصیل کو توڑے بغیر اسلام کے انہدام کی مہم سر ہو ہی نہیں سکتی۔

(۵) طریقت کی حقیقت کی بحث چھڑی تو فرمایا ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست۔

اور خدمت خلق کی حقیقت کیا ہے؟ مخلوق کو راہ راست پہ لا کر اللہ کے دروازے پہ پہنچانا ایک آدمی کو راہ راست پہ لانا۔ لاکھوں خرچ کر دینے سے بہتر ہے۔

(۶) ایک شخص نے وظائف کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔

(۱) مصائب کے وقت انبیاء کرام نے جو دعائیں مانگیں۔ وہ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ مصائب آنے پر وہی دعائیں مانگا کرو۔

۲:۔ قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو۔ یہ عذاب قبر سے بچاتی ہے۔

۳:۔ کثرت درود شریف۔

۴:۔ لا الہ الا اللہ ورد زبان رکھو

۵:۔ روزانہ ایک سو مرتبہ استغفار ضرور پڑھا کرو۔

۶:- ذکر اسم ذات پابندی سے کیا کرو۔

(۷) ایک خاص قسم کے توحیدی حضرات کا ذکر آیا تو فرمایا۔ بھئی کیا پوچھتے ہو۔ جس طرح حبّ اہل بیت یہ ہے۔ کہ صحابہ کو کافر کہو تو حب اہل بیت کا تقاضا پورا ہو گیا۔ اسی طرح اولیاء اللہ اور علمائے ربانی کو کافر کہو تو پکے توحیدی بن گئے۔

(۸) اجتماع دارالعرفان ۸۳ء میں ایک مجلس میں فرمایا۔

۱:- عذاب قبض روح کے وقت ہی شروع ہو جاتا ہے۔

فکیف اذا توفتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم۔

جسم تو دنیا میں ہے مگر عذاب برزخ میں شروع ہے اور نظر نہیں آتا۔

۲:- موت کے بعد روح۔ بدن کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہی صورت مثالی ہوتی ہے۔ جسے لوگ جسم مثالی کہہ دیتے ہیں۔

۳:- برزخ میں روح نظر آتا ہے۔ بدن نظر نہیں آتا۔

(۹) زکوٰۃ کے متعلق بات چھڑی تو فرمایا۔

۱:- صدیق اکبر نے جو فرمایا تھا۔ کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا۔ میں اس کے خلاف جنگ کرونگا۔ آپ نے یہ بات اس آیت سے لی تھی۔

فان تابوا فاقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین۔

یعنی اگر وہ لوگ توبہ کر لیں نماز ادا کریں۔ زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا منکر کافر ہے۔ تو کافر کے ساتھ اخوت کیسی۔

علم کلام کا اصول ہے کہ انتفائے جزو انتفائے کل کو مستلزم ہے یعنی اسلام کے کسی ایک رکن کا انکار پورے اسلام کا انکار ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کا منکر کافر ہے۔

(۱۰) اسلامی تاریخ کے متعلق گفتگو ہوئی تو فرمایا

۱:- ذرا مورخین کی فہرست تو سامنے رکھو پہلا مورخ لوط بن یحییٰ ہے۔ ناسخ التواریخ میں لکھا ہے۔ کہ اس کا دادا پہلا شیعہ تھا۔

۲:- محمد ابن اسحاق صاحب کٹر رافضی تھا۔

۳:- ابن جریر طبری۔ اس نے روایات جمع کر دیں مگر اتنا ضرور کیا کہ راویوں نے نام دے دئے۔ تو اس کا پہلا راوی سیف بن عمر کٹر رافضی۔

۴:- کلبی۔ یہ بہروپیا رافضی۔ کبھی ابو سعید بنتا ہے۔ کبھی ابو نصر۔

۵:- واقدی۔ تقیہ باز رافضی۔

۶:۔ مسعودی ۔ رافضی

۷:۔ شہرستانی ۔ رافضی ۔

اب سوچو جہاں تقیہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہو اور بغض صحابہ مذہب کا بنیادی رکن ہو ۔ وہاں اسلامی تاریخ کا حشر یہی ہو سکتا ہے ۔ حق یہ ہے کہ مسلمان تاریخ بناتے رہے ۔ اور روافض ان کی تاریخ کو مسخ کرتے رہے ۔ اور اسی مسخ شدہ تاریخ پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ۔

(۸) فرمایا معاملات کا خاص خیال رکھا کرو ۔ معاملات درست نہ ہوئے یہ عبادتیں اور مراقبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے ۔

۳/۸۱ ۷ اکو سیالکوٹ میں فرمایا ۔

(۹) (۱) دنیا کی خاطر اگر کوئی کسی شیخ سے بیعت کرتا ہے تو اسے دنیا اور آخرت دونوں کا کوئی فائدہ نہیں ۔ یہ بات حدیث جبرئیل کے ان الفاظ سے مستنبط ہوتی ہے کہ فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ بیعت بھی ہجرت ہے ۔ یعنی بے دینی سے دینداری کی طرف گناہوں سے اطاعت کی طرف

۲:۔ ہجرت کی قسمیں ہیں مثلاً دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جیسے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی دوسری دارالفتن سے دارالامن کی طرف جیسی مکہ سے حبشہ کی طرف ۔

تیسری غفلت سے معرفت کی طرف یعنی یضنا و ما فیھا کی محبت چھوڑ کر اللہ کی محبت کی طرف ہجرت ۔

تو شیخ کامل سے بیعت بھی دراصل ایک ہجرت ہوتی ہے ۔ لہٰذا اس میں نیت کا اعتبار ہے مگر لوگوں نے تو اسے ایک کاروبار سمجھ رکھا ہے چنانچہ بقول اکبر شیخ کامل کی پہچان یہ ہے کہ ۔

مردہ سمجھے انکو کہ جو پہنچے ہوں خدا تک
مرشد ہے وہی جو ہے گورنمنٹ رسیدہ

(۱۱) حدیث جبرئیل کی تشریح کرتے ہوئے احسان کی حقیقت بیان فرمائی کہ اس کے تین مرتبے ہیں ۔

۱:۔ ان تعبد اللہ ۔ اس سے عبادت لازم آئی ۔

۲:۔ کانک تراہ ۔ مشاہدہ میں غرق جسکا طریقہ یہ ہے کہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے طواف کرکے تجلیات باری میں غرق ہو ۔

۳:۔ فانہ یراک ۔ یہ مراقبہ کی حالت ہے

(۱۲) حضرت عثمان رضؓ کا ذکر آیا تو فرمایا ۔

۱:۔ بیعت رضوان کے متعلق صحابہ کا بیان کہ بایعنا علی ید رسول اللہ حتی نموت لا نفر یعنی حضور اکرم ؐ نے اپنی ۱۹ برس کی کمائی سے حضرت عثمان کا بدلہ لینے کے لئے موت کی بیعت لی ۔

اسی واقعہ سے غیبی بیعت بھی ثابت ہوتی

ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت عثمان کی غیر حاضری میں اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیکر بیعت لی تھی

(۱۳) ۸۱ء میں فیصل آباد کے مقام پر ایمان بالقرآن کے سلسلے میں فرمایا۔

(۱) شیعہ تقیہ کر کے لاکھ لکھیں کہ ہمارا اس قرآن پر ایمان ہے۔ قابل تسلیم نہیں کیونکہ تحریف قرآن کے متعلق ان کا اقرار ہے کہ

(i) تحریف قرآن کی روایات کثیر ہیں زائد از دو ہزار ہیں۔ روایات امامت سے کم نہیں سو اگر ہم تحریف پر ایمان نہ لائیں تو امامت سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔

(ii) یہ روایات صاف صاف تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں۔

(iii) یہ روایات متواتر ہیں۔

(v) یہ روایات ہماری ان کتابوں میں ہیں جن پر ہمارے مذہب کا مدار ہے۔

(v) یہ عقیدہ ضروریات دین شیعہ میں سے ہے۔

(vi) یہ عقیدہ عقل کے عین مطابق ہے۔

(۱۴) فرمایا۔ صحابہ کے عقائد نہایت سادہ تھے یہ ساری پیچیدگیاں یونانی فلسفہ کے آنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

مذہب تعامل صحابہ کا نام ہے۔

پہلی صدی ہجری میں کسی فرقے کے کوئی وجود نہیں ملتا۔ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ عبداللہ بن سبا یہودی کی تحریک بنیادی طور پر خالص سیاسی تحریک تھی۔ عبدالقاہر بغدادی نے اس سلسلے میں پہلی کتاب الفرق بین الفرق لکھی چھٹی صدی میں نوبختی نے فرق الشیعہ لکھی۔

(۱۵) قرآن کی حقیقی تفسیر عمل صحابہ ہے اس کے بعد قرآن کی عملی تفسیر کو مدون کرنے میں آئمہ اربعہ کا درجہ ہے پھر امام طحاوی کا قول شرح معانی الآثار پھر فقہائے عراق کی علمی کاوشیں۔

(۱۶) کشف مثبت احکام نہیں مظہر حقائق ہے

کے آباؤ اجداد سب کنبہ مرزائی تھے۔ اس نے ہمارے ہاں آکر ذکر شروع کیا۔ جلد ہی انکشاف شروع ہو گیا۔ میں نے پوچھا مرزا کی قبر دیکھی ہوئی ہے کہنے لگا دیکھی ہوئی ہے میں نے کہا تو اب چلو اس قبر کے اندر جھانک کے دیکھو۔ ڈھاڑیں مار کر رونے لگا پوچھا کیا بات ہے کہنے لگا قبر میں ایک ریچھ ہے سارا کنبہ مسلمان ہو گیا۔

$\frac{5}{82}$ ۱۵ :۔ ایبٹ آباد۔ فرمایا

(۱) میں نے ہر مذہب کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر باطل مذہب کا بانی کسی غلط فہمی کا شکار ہوا ہے۔ صرف شیعہ مذہب ایسا ہے کہ اس کے بانی عبداللہ بن سبا کا مقصد

ہی اسلام دشمنی تھا اسے کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔

عارفین کو اکثر ان سے ٹکر رہی ہے۔ ان کے ہاتھوں عارفین کو سخت ایذائیں پہنچی ہیں۔

مرزائیوں کے صرف دو اختلاف ہیں اجرائے نبوت اور حیات مسیح مگر شیعہ مذہب تو الف سے ی تک ہر مسئلہ میں اسلام کا مخالف بلکہ الٹ ہے

(۱۸) فرمایا علوم نبوت کے حصول کیلئے ایمان شرط نہیں۔ مگر نور نبوت کے حصول کے لئے ایمان بھی شرط ہے اور خلوص بھی۔

(۱۹) انا مدینۃ العلم والی روایت مسند فردوس کی ہے جو چوتھے درجے کی حدیث کی کتاب ہے۔ پھر اس روایت کو جیسی بھی پوری نہیں لکھتے پوری یوں ہے۔ انا مدینۃ العلم وابوبکر اساسھا وعمر جدرانھا وعثمان سقفھا وعلی بابھا یعنی میں علم کا شہر ہوں ابوبکر اسکی بنیاد ہے۔ عمر اس کی دیواریں ہیں۔ عثمان اس کا چھت ہے اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اوّل تو یہ حدیث ہی صحیح نہیں پھر اس کا خلافت بلا فصل سے کیا تعلق

(۲۰) برزخ میں زیادہ لوگ معاملات کی وجہ سے ماخوذ ہیں۔

(۲۱) سلوک کے دو رکن ہیں۔ اتباع شریعت اور شیخ کامل سے عقیدت

(۲۲) ہمارا سلسلہ نقشبندیہ ہے۔ اویسیہ اسکی شاخ ہے۔

اویسیہ سے مراد یہ ہے۔ کہ روح سے فیض لیا بھی جا سکتا ہے۔ اور روح کو فیض دیا بھی جا سکتا ہے۔ مگر اخذ فیض کے لئے روحانی ربط ضروری ہے۔ اور وہ زندہ شیخ ہی کرا سکتا ہے وہ شیخ جو کم از کم فنا بقا تک منازل سلوک طے کر چکا ہو۔ وہ سالک کو لطائف اور مراقبات کر کے اس قابل بنا دے کہ اس کی روح کو برزخ تک رسائی کی قوت حاصل ہو جائے۔ تو وہ زندہ شیخ اس کی روح کا رابطہ کسی کامل کی روح سے کرا دیتا ہے۔ اس ربط بالشیخ کہتے ہیں۔

(۲۳) لوگ کہتے ہیں کشف کا ثبوت کیا ہے یہ تو بدعت ہے۔ بھئی ان سے پوچھو جس چیز کا ثبوت بالسنتہ موجود ہو اسے کیا کہیں گے معراج کے واقعہ پر غور کرو۔ حضور اکرمؐ کو جبریل کیسے نظر آ گئے۔ جبریل کو کیسے پہچانا۔ جبریل کی بات کیسے سُنی۔ موسیٰؑ کو قبر میں نماز پڑھتے کیسے دیکھا۔ پیغمبروں سے ملاقات کیسے ہوئی۔

ابراہیم سے کلام کیسے ہوئی۔ بیت المقدس میں انبیاء کی امامت کیسے کرائی۔ کیا یہ سب ثابت بالسنتہ نہیں۔ کیا یہ فعل رسول نہیں کیا یہ قول رسول نہیں قول رسول اور فعل رسول کو بدعت کہتے ہیں۔ ع

شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد

شیخ المکرم رح کی علمی مجالس

حافظ عبدالرزاق

غالباً ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ شیخ غازی احمد صاحب نے جو اس زمانے میں پروفیسر تھے۔ اور جو درس نظامی کے فارغ التحصیل عالم بھی ہیں۔ حضرت شیخ کو اپنے آبائی گاؤں میانی میں آنے کی دعوت دی۔ یہ فقیر بھی حضرت کے ساتھ تھا وہاں ایک محفل میں غازی صاحب نے قرآن کریم کی چند آیات کی تفسیر کے سلسلے میں کچھ اختلافی آرا کا ذکر کیا۔ تو حضرت نے ان آیات کی تفسیر کے سلسلے میں عجیب نکات بیان فرمائے جو فقیر نے اس وقت لکھ لئے۔ یہ مجلس حضرت شیخ رح کی طویل ترین علمی مجلس تھی۔

سب سے پہلے آیات استخلاف کے متعلق غازی صاحب نے پوچھا حضرت نے فرمایا۔ پوری آیت پڑھیں فقیر نے پوری آیت پڑھی تو حضرت نے فرمایا دیکھئے اس ایک آیت میں کئی وعدے ہیں۔ مثلاً

۱:۔ استخلاف فی الارض

۲:۔ تمکین دین۔ اور وہ دین جو اللہ کریم کا پسندیدہ دین ہے۔

۳:۔ امن بعد خوف۔

پھر ان حقائق پر غور کیجئے۔

۱:۔ اس میں موعود لھم یعنی جن کے ساتھ وعدہ کیا گیا۔ ان کے نام نہیں ہیں۔

۲:۔ وعدہ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔ لفظ آمنوا

۳:۔ وعدہ حاضرین کے ساتھ ہے۔ لفظ آمنوا اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ اس وعدہ سے خارج ہیں۔ اور جو ابھی ایمان نہیں لائے وہ بھی اس وعدہ سے خارج ہیں۔ پس گیارہ امام اس وعدہ سے خارج ہیں کیونکہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

۴:۔ امن بعد خوف کا وعدہ کرتا ہے کہ حضرت علی رض کی خلافت بھی اس وعدہ سے خارج ہے کیونکہ امن بعد خوف انہیں حاصل نہیں ہوا۔ اور نور اللہ شوشتری نے احقاق الحق میں کہہ دیا ہے کہ حضرت علی رض کو خلافت برائے نام ہی ملی تھی۔ یہ اور بھی پیش نظر رہے کہ یہ آیت انعامی ہے۔ احکامی نہیں۔ اس لئے دوسری آیات جہاں مخاطب حاضرین ہوتے ہیں مگر احکامی ہونے کی وجہ سے غائبین بھی شامل ہوتے

ہیں۔ اور غائبین کو حاضرین میں شامل صرف دلائل خارجیہ کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہاں دلیل خارجی کوئی نہیں۔ مثلاً اجماع امت (دیکھئے شیعہ علم کلام کی کتاب معالم الاصول)

اس آیت کے متعلق چار صورتیں ممکن ہیں۔

۱:۔ وعدہ میں غائبین بھی شامل ہوں۔ حاضرین کو مختص نہ کیا جائے۔ مگر یہ لغت عرب اور اصول کے خلاف ہے۔

۲:۔ خلفائے ثلاثہ کو مومن کامل مان کر خلیفۂ برحق مانا جائے۔ یہ امر حقیقت کے عین مطابق ہے

۳:۔ اگر انہیں ایسا تسلیم نہ کیا جائے تو اسوقت کے حاضرین میں سے آیت کا مصداق پیش کیا جائے جو ممکن نہیں۔

۴:۔ یہ مان لیا جائے کہ اللہ کے وعدے جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں۔

آیت کی اس تشریح پر منکرین قرآن کے اعتراضات اور ان کے جواب۔

اعتراض ۱:۔

فعل کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔ اور شیخین کو لوگوں نے خلیفہ بنایا۔

جواب:۔

یہ بتایئے کہ اللہ کریم کا کونسا طریقہ ہے۔ جس سے فعل کا صدور ہوتا ہے۔ مثلاً۔

اللہ کریم کا ارشاد ہے۔ نحن نرزقکم وایاھم تو یہ فعل کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔ مگر وہ رزق دیتا کیسے ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس آیت میں فعل کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کا میلان اللہ کریم نے اس طرف کر دیا۔

اعتراض ۲:۔

آیت میں "ارض" کا لفظ مطلق ہے۔ اور مطلق ہو تو فرد کامل مراد ہوتا ہے۔ پس وعدہ تو پوری زمین پر خلافت کا ہوا۔

جواب:۔

پوری زمین کی حکومت تو کسی کو ملی ہی نہیں۔ لہٰذا اس اعتراض کا مطلب یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) اللہ کا وعدہ ہی غلط ہے۔

اعتراض ۳:۔

امن تو خلفائے ثلاثہ کو بھی نہیں ملا؟

جواب:۔

اوّل تو تاریخ ہی اس دعویٰ کی تردید کرتی ہے خلفائے ثلاثہ کو جو امن ملا۔ اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں تھی۔

پھر ضمائر جمع کی ہیں۔ اس لئے ایک تو ہرگز نہیں البتہ ثلاثہ مراد ہو سکتے ہیں۔ آخری بات یہ کہ اگر خلفائے ثلاثہ مصداق نہیں تو آیت کا مصداق تاریخ سے دکھایئے۔

اعتراض ۴ :۔

حکومت مل جانا۔ خلیفہ برحق ہونے کی دلیل نہیں

جیسے فرعون اور نمرود وغیرہ

جواب :۔

کفار کا ذکر بے محل ہے۔ یہاں "آمنو" کی قید موجود ہے۔ اور وعدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا ہے۔ مطلق حکومت کا وعدہ نہیں لہٰذا یہ قیاس مع الفارق کی بدترین قسم ہے۔

اعتراض ۵ :۔

یہ نص ہے اور اہل سنت خلافت مخصوصہ کے منکر ہیں۔ لہٰذا تم اس آیت سے استدلال نہیں کر سکتے۔

جواب :۔

منصوص سے مراد یہ ہو سکتی ہے :۔

۱ :۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان کر دیا ہو کہ میرے نبی کے بعد فلاں شخص خلیفہ ہوگا۔ آیت میں یہ چیز نہیں پائی جاتی۔

۲ :۔ اللہ تعالےٰ نے نبی کریمؐ کو خطاب کر کے فرمایا ہو کہ فلاں شخص کے متعلق اعلان خلافت کر دیں یہ بھی موجود نہیں۔

۳ :۔ حضور اکرمؐ نے کسی شخص کے متعلق اعلان کیا ہو اور ہم تک تواتر سے پہنچا ہو۔ یہ صورت بھی نہیں ملتی۔

۴ :۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہو کہ امت محمدیہ میں سے ہی خلیفہ بنانا۔ ایسی نصوص کثرت سے ملتی ہیں اور اس کے ہم قائل ہیں۔

۵ :۔ اللہ تعالیٰ خلیفہ کے اوصاف بیان کئے ہوں۔ اور یہ درست ہے اور وہ سب اوصاف مہاجرین میں پائے جاتے ہیں۔

۶ :۔ نبی کریمؐ نے خلیفہ بنانا امت پر فرض قرار دیا ہو۔ یہ درست ہے اور اس کے ہم قائل ہیں۔

اعتراض ۶ :۔

بندوں کے سپرد کیوں نہ کیا کہ فلاں کو خلیفہ بنا لیں ؟

جواب :۔

اس کا تعلق امور شرعیہ سے نہیں امور تکوینی سے ہے۔

اعتراض ۷ :۔

خلیفہ کے اوصاف وہی ہوتے ہیں۔ جو جناب کے ہوں اس لئے نبی کریمؐ کے خلیفہ بارہ امام بھی معصوم ہیں۔

جواب :۔

نبی کے فرائض دوگونہ ہوتے ہیں۔ اہل اللہ سے کام لینا۔ دوم مخلوق تک احکام پہنچانا۔ احکام لینے کے لئے عصمت شرط ہے۔ احکام پہنچانے کیلئے عصمت شرط نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر عالم معصوم ہوتا

کیونکہ احکام پہنچانا اس کے فرائض میں داخل ہے۔ اور جب احکام لینے میں عصمت شرط ہے اور آپ کہتے ہیں بارہ امام معصوم ہیں۔ تو کیا ان پہ وحی نازل ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ ختم نبوت کے منکر ہوئے اور یہ کفر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابلاغ و اشاعت احکام کے لئے عصمت شرط نہیں اور خلیفہ کے فرائض یہی ہیں

پھر فرشتوں کا یہ کہنا کہ

۲ اتجعل فیہا من یفسد فیہا صاف ظاہر کرتا ہے کہ خلیفہ کے لئے معصوم ہونا شرط نہیں۔

اعتراض ۸ :-

اصحاب ثلثہ حضور اکرمؐ کے بعد مرتد ہو گئے۔ (معاذ اللہ) لہٰذا خلیفہ نہیں بن سکتے۔

جواب :-

یا ایہا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ .... الخ (۵ : ۵۴)

ترجمہ :- " اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے۔ سو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو وجود میں لے آئے گا۔ جن میں وہ چاہتا ہوگا۔ اور وہ اسے چاہتے ہوں گے۔ ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے۔ اور کافروں سے مقابلہ میں سخت ہوں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑا وسعت والا بڑا رحم والا ہے۔"

اس آیت میں خطاب " آمنو " سے ہے کہ اور صیغہ ماضی سے ہے۔ یعنی نزول آیت کے وقت جو مسلمان تھے۔ ظاہر ہے کہ ان میں اصحاب ثلاثہ شامل تھے اب یہ بتایا جائے کہ بقول شما اگر یہ مرتد ہو گئے تو ایسی کونسی قوم لائی گئی جو مرتدوں پر مسلط ہوئی۔ کیونکہ پیشگوئی کا اولیں تقاضا یہی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ایسی کوئی قوم نہیں لائی گئی البتہ اصحاب ثلاثہ ہی مرتدوں پر مسلط رہے۔ اور عن دینہ کے لفظ میں دین عام ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ دین پر قائم رہیں گے۔ سو اصحاب ثلثہ دین پر قائم بھی رہے اور مرتدوں پر مسلط بھی رہے۔

اگر آپ کی بات کو صحیح فرض کر لیا جائے تو ایک اور الجھن پیدا ہو گی۔ ذرا آپ اسے حل کرنے کی کوشش کریں۔ وھو ھذا

ارشاد باری ہے۔

ان الذین توفٰھم الملائکۃ .... الخ (۴ : ۹۷)

ترجمہ :- بیشک ان لوگوں کی جان جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے۔ جب فرشتہ قبض کرتے ہیں۔ تو ان سے کہیں گے کہ تم کس حال میں تھے۔ وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے۔ فرشتہ کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جانے ...."

اگر اصحاب ثلاثہ مرتد تھے۔ اور وہ مسلط رہے

تو حضرت علیؓ نے ہجرت کیوں نہ کی یہ تو قرآن کی صریح مخالفت ہے۔ کیا حضرت علیؓ واقعی اللہ اور اس کے قرآن کے مخالف تھے؟

معلوم ہوتا ہے اسی مجبوری کے تحت تقیہ کا عقیدہ ایجاد کر کے شیرِ خدا کو بزدل ثابت کیا گیا ہے۔

غازی صاحب یہ تفصیل سن کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ قرآن پڑھتے پڑھاتے عمر گذر گئی ہے۔ مگر اب محسوس ہوا کہ علم تو اس کا نام ہے۔

غازی صاحب نے پوچھا کہ واقعۂ ہجرت میں صدیق اکبرؓ کی معیت پر کچھ ارشاد فرماویں۔ حضرت نے فرمایا وہ آیت پڑھو۔

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ ...... الخ

ترجمہ:۔ اگر تم نے رسولؐ کی امداد نہیں کی تو کیا اللہ تعالیٰ خود اس کی امداد کر چکا ہے۔ جب کہ فارؐ اپنے دوست کو فرما رہے تھے کہ غم مت کر محقق بات ہے کہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر سکینہ نازل فرمائی اور اس کی امداد ایسے لشکر سے فرمائی جسے تم دیکھ نہیں رہے تھے۔"

اس آیت سے اور تاریخ سے ثابت کہ جب کفار نے گھر سے نکالا تو صرف ابو بکرؓ ساتھ تھے۔ فرق اتنا ہے کہ کفار نے تو حضور اکرمؐ کو نکالا مگر صدیق نے اس مصیبت کو اپنے سر خود لیا۔

اعتراض:۔

صدیق ساتھ نہیں تھے۔ بعد میں جا ملے حضورؐ نے واپس اس لئے نہ کیا۔ کہ جا کے بتا دیں گے۔

الجواب:۔

اذ اخرجہ۔ یعنی کس حالت میں نکالا؟ مفعول کی ضمیر "ہٗ" کا مرجع ہے نبی کریمؐ کی ذات۔ اور ثانی اثنین حال ہے۔ یعنی اس حالت میں نکالا کہ صدیقؓ ساتھ تھے۔

اوّل کا لفظ حضور کے لئے بولا گیا ہے قرآن نے حضور کو اوّل المسلمین کا لقب حضورؐ کو فرمایا اور ثانی کا لقب صدیقؓ کو۔ اور ثانی بھی ایسا کہ غار میں بدر میں۔ خلافت میں۔ قبر میں۔ ترتیب رتبی میں عدد مساوی کی نسبت مساوی سے کی جاتی ہے۔ یہاں یہی ترتیب رتبی ہے۔

اذ ھما فی الغار، یہ پہلے اذ کا بدل ہے۔

اذ یقول لصاحبہ، صاحب کی "لا" اضافت طرف حضور کے یا اس ضمیر کے کہ جس کا مرجع نبی کی ذات ہو تو صاحب اس کا ہم مذہب ہوگا۔ غیر نہیں ہو سکتا۔ اس پر اعتراض کہ یصاحبی السجن کی تردید کرتا ہے۔

الجواب:۔

یہاں صاحب کی اضافت سجن کی طرف ہے نبی کی طرف نہیں

اس آیت سے صدیق اکبرؓ کا صحابی ہونا نص صریح ہے۔ صدیقؓ کی صحابیت کا انکار نص صریح کا انکار ہے۔ جو کفر ہے۔

لا تحزن ان اللہ معنا

اعتراض :۔

خوف کا تعلق استقبال سے ہوتا ہے "حزن" کا ماضی سے۔ تو ابوبکرؓ نے کوئی منصوبہ بنایا تھا۔ اس کا غم تھا۔

اعتراض ۲ :۔

یہی جس فعل پر وارد ہو اس کا ارتکاب حرام ہے۔ گویا صدیق۔ حرام کے مرتکب ہوئے۔

الجواب :۔

اول تو حزن کا لفظ سارے قرآن میں انبیاء و صالحین کے لئے بولا گیا ہے۔ کافر کے لئے نہیں بولا گیا۔ پس صدیق، صالحین کے سردار تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حزن کا لفظ ہمیشہ اس غم کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو دوسروں کے لئے ہو۔ نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔ تو منصوبہ ظاہر ہے کہ غم یہ تھا کہ جس ترکیب سے ہم نے ہجرت کی اس علم کسی کو نہیں تھا۔ پھر یہ کافر کیسے پہنچ گئے۔

ایک شیعہ عالم علامہ باذل نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے ؎

چنیں گفت راوی کہ سالار دیں
چو سالم بحفظ جہاں آفریں
نہ نزدیک آں قوم پر دکر رفت
بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پئے ہجرت او نیز آمادہ بود
کہ سابق رسولش طہ دادہ بود
نبی بر درخانہ اش چوں رسید
بگوشش صدائے سفر درکشید
چو بوبکر زاں حال آگاہ شد
زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد

پھر آگے جا لکھتا ہے ؟

بدیدند غارے در آں تیرہ شب
کہ خوانندے عرب غار نورش لقب
گرفتند در جوف آں غار جا
ولے پیش تنہا د بوبکر پاء
بہر جا کہ سوراخ یا رفتہ دید
قبا را بدرید و آں رخنہ چید
بدیں گونہ تاشد تمام آں قبا
یکے رخنہ نگذشت ماند از قضا
براں رخنہ گوئند آں یار غار
کف پائے خود را نمود استوار

پس ثابت ہوا کہ صدیقؓ کو حضورؐ کی ذات کا غم تھا۔ اپنا غم نہیں تھا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ حضور اکرمؐ جب اپنی خواہش سے

گفتگو بھی نہیں کرتے تھے تو ظاہر ہے کہ آپ کے اعمال میں بھی خواہش کو دخل نہیں تھا۔ بلکہ ہر کام اللہ کے حکم سے کرتے تو ظاہر ہے کہ ہجرت کے سفر میں صدیق اکبرؓ کے گھر جاکر انہیں ساتھ لے جانا اللہ کے حکم کے تحت تھا۔ اور اللہ کریم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ کو یہ بتانا منظور تھا۔ کہ دوران سفر اگر وحی آئے تو آپ کے نائب کو اس کا علم ہو۔ دوسرے لوگ تو اس سے سیکھ لیں گے۔

نادان یہاں صدیقؓ اکبر اور حضرت علیؓ کے درمیان تقابلہ شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہر ایک کی اپنی شان ہے اپنا مقام ہے اور اپنا کام ہے۔ صدیقؓ کی ذات وہ ہے۔ جسکی قربانی کا ذکر اللہ کریم نے اپنی کتاب میں کیا۔ قریش مکہ بھی صدیقؓ کی اہمیت سے واقف تھے جبھی تو جہاں حضور اکرمؐ کے قتل کے لئے ایک سو ایک اونٹ انعام مقرر کیا وہاں صدیق کے قتل کا بھی اتنا ہی انعام مقرر کیا۔ پھر حضرت علیؓ تو بچے تھے کسی سے دشمنی نہیں تھی اور قریش من حیث الجماعت صدیقؓ کے دشمن تھے۔ اور ہجرت کا منظر یہ کہ حضرت علیؓ تو حضور کی چار پائی پر ہیں اور حضور اکرمؐ صدیقؓ کی گود میں آرام فرما رہے ہیں۔ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

ان اللہ معنا :۔ جو معیت حضور اکرمؐ سے ہے۔ وہی معیت صدیقؓ کے ساتھ ہے اور یہ معیت ذاتی ہے کسی خاص وصف کی بنا پر نہیں۔ یعنی ابو بکرؓ جب تک ابو بکرؓ ہے اسے اللہ کی وہی معیت حاصل ہے جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو حاصل ہے یہاں معیت کے لئے جمع متکلم کا صیغہ استعمال ہوا ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ کے قصے میں بھی معیت باری کا ذکر ہوا۔ مگر وہاں صیغہ واحد متکلم استعمال ہوا ہے۔

قال اصحاب انا المدرکون قال کلا ان معی ربی سیھدین۔

چونکہ حضرت موسیٰؑ اور اصحاب موسیٰؑ ایک پایہ کے نہیں تھے اس لئے واحد متکلم کا صیغہ لایا گیا۔ اور یہاں جمع متکلم کیوں ہے اس لئے کہ اللہ کریم خالق ہے اس کی شان تو وراء الوراء ہے۔ اور مخلوق میں سب سے اونچی شان محمد الرسول اللہ کی ہے۔ اور غیر انبیاء میں سب سے اونچی شان صدیق اکبرؓ کی ہے۔

فانزل اللہ سکینتہ علیہ :۔ علیہ ضمیر کا مرجع ابو بکرؓ ہے۔ راندش کلام یہی ہے کیونکہ غم صدیقؓ کو تھا۔ اور جسے غم تھا۔ سکینہ کی ضرورت بھی اسی کو تھی

اعتراض :۔ اس صورت میں انتشار مابین الضمائر لازم آتا ہے۔

جواب :۔

قرینہ موجود ہو تو یہ لازم نہیں آتا۔ اور یہاں

قرینہ موجود ہے۔ اگر سکینہ حضورؐ پر اتری تو یہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ حضورؐ کو تو پہلے سکون حاصل تھا۔

وایدہٗ :۔ اس تائید کا تعلق اس واقعہ سے بھی ہے اور بدر سے بھی ہے۔

ایک اصولی بات یاد رکھئے۔ صحابہؓ کا زمانہ نزول قرآن کا زمانہ ہے۔ اس لئے صحابہؓ پر طعن تاریخ سے نہیں قرآن سے پیش کرو۔ مورخین میں سب سے پہلا ابومخنف ہے جو پرلے درجے کا تقیہ باز اور زہریلا رافضی ہے۔ پھر کلبی، واقدی، مسعودی تینوں رافضی۔ اور ان بیچاروں کی مجبوری یہ ہے کہ جھوٹ ان کے نزدیک ۹/۱۰ حصہ دین ہے۔ اور ان کے امام کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب شے تقیہ یعنی جھوٹ ہے۔ اس لئے جہاں مسلمان تاریخ بناتے رہے یہ لوگ مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرتے رہے۔ دور کیوں جائیں اپنی تاریخ پر نگاہ کیجئے۔ اور تصور کیجئے کہ اپنی تاریخ اگر ایڈیٹر اردو ڈائجسٹ لکھے اور ایڈیٹر مساوات لکھے تو کیا وہ ایک جیسی ہوگی۔

اس آیت کی شرح ختم ہوئی تو حضرت نے فرمایا سفر ہجرت میں صدیقؓ کی معیت کے علاوہ قرآن کریم نے ایک اور معیت کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ اور وہاں بھی لوگوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور ٹھوکریں ماری ہیں۔ ارشاد ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہٗ.....

...... عظیما۔ (۴۸ : ۲۹)

ترجمہ :۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں اور آپس میں رحمدل۔ اے دیکھنے والے تو انہیں دیکھتا ہے کہ اللہ کے آگے جھکے اور سربسجود ہیں۔ اور اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کر رہے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ اور اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کر رہے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ کثرت سجود کے۔ ان کے یہی اوصاف توریت میں مرقوم ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں بھی ہیں وہ لوگ گویا ایک کھیتی ہیں۔ جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی۔ پھر اسے مضبوط کیا۔ پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے۔ تاکہ کافروں کا جی جلائے۔"

محمد رسول اللہ :۔ اسم محمدؐ کے ساتھ صرف ایک وصف بیان کیا رسول اللہ کیونکہ رسالت کے بعد کسی اور وصف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مخلوق میں سب سے اعلیٰ وصف یہی ہے۔ اور دراصل وصف بحال متعلقہ مقصود تھا۔ یعنی صحابہؓ کا وصف بیان کرنا مقصود تھا۔

اعتراض :۔

معہٗ میں مراد ہم مذہب لوگ ہیں اور شیخین وغیرہ

حضور کے ہم مذہب نہیں تھے۔

جواب:۔

یہ سورہ صلح حدیبیہ کی مرہم بن کر نازل ہوئی لہٰذا صلح حدیبیہ میں جو لوگ ساتھ تھے وہی مراد ہیں۔ یہ وہی جماعت ہے۔ جو بیعت رضوان میں تھے۔ جد بن قیس منافق خارج ہے۔ کیونکہ اس نے بیعت نہیں کی تھی

اشداء علی الکفار رحماء بینھم:۔ یہ صحابہؓ کے معاملات بیان کئے۔

تراھم رکعا سجدا:۔ یہ صحابہؓ کی عبادات کا بیان ہے۔ اور اسلوب بیان ظاہر کرتا ہے کہ صحابہ کی پوری زندگی اور زندگی کا ہر عمل ہی عبادت ہے اس لئے کوئی دیکھنے والا جب بھی انہیں دیکھے گا اللہ کی اطاعت میں ہی دیکھے گا۔ اس لئے اطاعت کی انتہائی تذلل کی صورتیں رکوع اور سجود بیان کر دیں۔

اس سے پہلے خلافت کا مسئلہ آ رہا ہے اس لئے یہاں پر خلیفہ کے اوصاف بیان ہوئے۔ جس خلیفے کا وصف رحماء بینھم کے تحت ہے وہ کسی پہ ظلم نہیں کر سکتا۔ لہٰذا باغ فدک وغیرہ سب جعلی افسانے ہیں۔ عبادات کا پہلو ایسا شاندار ہے۔ کہ اللہ کریم نے انکی عبادت کی فضیلت کی سند دیدی۔

انسان کا سرمایہ دو قوتیں ہیں۔ شہوی اور غضبی ان کا اپنی حدود کے اندر رہنا معیار فضیلت ہے اور حد سے تجاوز کرنا پستی کی دلیل ہے۔ یہاں بتایا کہ حضور اکرمؐ کی صحبت اور آپ کی تربیت نے صحابہؓ میں وہ انقلاب پیدا کیا کہ پہلے وہ لوگ ان دو قوتوں کے غلام تھے۔ اب یہ دونوں قوتیں ان کی غلام بن گئی کہ انہیں اللہ کی مقرر کردہ حدود میں ہی محدود رکھتے ہیں۔ بال بھر بھی تجاوز نہیں کرنے دیتے۔

یبتغون فضلا من ربھم و رضوانا

یعنی جو کچھ یہ کرتے ہیں کوئی ذاتی غرض کوئی مادی مفاد کوئی دنیوی لالچ مدنظر نہیں ہوتا بلکہ ان کا مقصود ہر حال میں محض رضائے الہی ہوتا ہے

مثلھم فی التورٰۃ ومثلھم فی الانجیل

حضور کے صحابہؓ اللہ کا وہ محبوب گروہ ہے کہ کتب سابقہ میں جہاں حضور اکرمؐ کے اوصاف بیان ہوئے وہاں حضورؐ کے صحابہؓ کے بھی یہی اوصاف بیان ہوئے۔ یہاں ایک نکتہ سمجھ لیجئے کتب سابقہ پر جو لوگ ایمان لائے اگر وہ اپنے وقت میں صحابہؓ کی عظمت کے قائل نہ ہوتے جو ان کی کتاب میں درج تھی تو کیا وہ لوگ مومن شمار ہوتے جواب ظاہر ہے کہ جب وہ کتاب الہی کے ایک جزو کے منکر ہوئے تو پوری کتاب ہی کے منکر ہوئے لہٰذا ان کے کافر ہونے میں کوئی شبہ کر سکتا ہے۔ اب اس حقیقت پر غور کیجئے کہ صحابہؓ کی پیدائش سے پہلے ان کی عظمت

کو تسلیم نہ کرنے والا جب مسلمان نہیں ہو سکتا تو صحابہ کی پیدائش کے بعد جوان کی عظمت کا قائل نہ ہو۔ اسے کیا کہیں گے۔ لفظ یا اصطلاح خود تلاش کر لیجئے۔

ازالۃ الخفا میں شاہ صاحب نے ذکر کیا ہے کہ جب بیت المقدس پر حملہ ہوا تو ایک پادری نے کہا تم اپنے رسول کا دوسرا خلیفہ پیش کر دو۔ ہمارے پاس اس کے جو اوصاف لکھیں ہیں۔ اگر وہی ہوا تو ہم اطاعت قبول کر لیں گے۔ چنانچہ عمر فاروق رضؓ آگے غلام اونٹ پر سوار تھا اور آپ نے مہار پکڑی ہوئی تھی

۱۱ پیوند لگے ہوئے تھے۔ پادری ایک تحریر لے کر سامنے آیا۔ فاروق اعظم رضؓ نے فرمایا کہ اللہ کا اور مومنوں کا سال ہے۔ وہ واپس چلا گیا ساتھیوں نے پوچھا یہ کیا بات تھی۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام سے پہلے ہم یہاں آئے تھے اس پادری نے مجھے دیکھا تھا اور کہا تمہارے ہاں ایک نبی پیدا ہوگا تم اس کے دوسرے خلیفہ ہوں گے۔ تمہاری فوجیں یہاں آئیں گی اس وقت میرا گرجا بچانا چنانچہ میں نے اسے لکھ دیا۔ اب یہ پادری وہی تحریر لے کر میرے سامنے پیش کر رہا تھا۔ تو میں نے وہ جواب دیا جو تم نے سن لیا تھا۔ یہ ہے
مثلھم فی التورٰۃ ومثلھم فی الانجیل

کزرع :۔ یہ کھیتی اسلام ہے۔ یا صحابہ کرامؓ۔ ثابت ہوا لاتعداد صحابہ رضؓ کا ذکر ہے۔

اخرج شطئہٗ :۔ یہ مکی زندگی ہے۔

فازرہٗ :۔ قریب ہجرت، فاستغلظ مدنی زندگی

فاستوٰی :۔ دور صحابہ رضؓ کیونکہ یعجب الزراع اور لیغیظ بھم الکفار کا تعلق اسی دور سے ہے

اس مثال کو سمجھنے کے لئے چند مقدمات ہیں

پہلا مقدمہ :۔

ترقی ہوگی۔ علی الاتصال ہوگی۔ درمیان میں کٹے گی نہیں اور اللہ تک پہنچے گی۔

دوسرا مقدمہ :۔

ترقی کے تمام مدارج عہد نبوی میں پورے نہیں ہوئے۔ لیغیظ بھم الکفار کا نقشہ قیصر و کسریٰ کی شکست نے پیش کیا اور یہ بعد میں ہوا۔ حدیبیہ کے بعد حضور اکرمؐ نے سلاطین کے نام خطوط بھیجے۔ رومی اور ایرانی حکومت کا ردعمل مختلف تھا۔ ایرانیوں کی فرعونیت کا یہ عالم تھا کہ باذان کے نام حکم بھیجا کہ اس نبی کو گرفتار کر کے یہاں بھیجو۔ اس نے فیروز دیلمی کو بھیجا۔ اس نے حضورؐ کے سامنے آ کر کہا۔ امرنی ربی ان احملک الیہ کہ میرے مالک نے مجھے حکم دیا کہ آپ کو اس کے پیش کر دوں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا صبح جواب دیا جائے گا۔

صبح کو اسے بلا کر فرمایا کہ میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ تیرا رب قتل ہو گیا ہے۔ فیروز نے جواب سن کر وقت نوٹ کر لیا۔ جو بعد میں صحیح ثابت ہوا علامہ باذل نے حملہ میں اس کا نقشہ کچھ یوں پیش کیا ہے۔

بگوئید اول جواب سلام !
رسانید آنکہ ز من ایں پیام
کہ از قدرتِ قادر ذوالجلال
شود پاک گیتی ز کفر و ضلال
ہمہ اہل ایران و اہل یمن !
بزودی در آئیندہ در دین من

معلوم ہوا کہ ایران و یمن کو کفر سے پاک کرنے والی جماعت صحابہؓ کی تھی۔ لہٰذا وہی جماعت دینداروں کی تھی۔ اور ان ممالک میں دین پھیلا اور یہ عہد فاروقیؓ میں ہوا۔ گویا حضور اکرمؐ کی پیشگوئی صحابہؓ کے ہاتھوں عہد فاروقی میں پوری ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ دین عمرؓ ہی دین محمدی تھا۔

تیسرا مقدمہ :۔

حضور اکرمؐ کے علی الاتصال ۲۴ سال خلافت اصحاب ثلاثہؓ رہی اگر شیعوں کا دعویٰ خلیفہ بلافصل تسلیم کیا جائے تو ظاہر ہے کہ ترقی علی الاتصال ۲۴ سنیں ہوئی۔ بلکہ بقول ان کے درمیان میں کفار کی حکومت آگئی اور ترقی انتہاء کو بھی نہ پہنچی۔

اعتراض :۔

صحابہؓ کے درمیان جنگیں جو ہوتی رہیں۔ رحماء بینھم کہاں رہ گیا۔

جواب :۔

معترض کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو فرمایا وہ ٹھیک نہیں۔ کوئی ایمان دار تو یہ اعتراض نہیں کر سکتا۔ جس کا قرآن پہ ایمان ہو۔ وہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ مؤرخین نے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ قرآن کے احکام کو رد نہیں کر سکتے۔

اگر جھگڑے ہی رحماء بینھم کی تردید کرتے ہیں۔ تو جھگڑے کس کے درمیان ہوئے اگر حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت معاویہ رحماء بینھم کا مصداق نہیں تو حضرت علیؓ اور وہ جنہیں تم اہل بیت کہتے ہوئے وہ رحماءُ بینھم کا مصداق کیسے رہ گئے۔ جب تمام صحابہؓ اور اہل بیت رحماء بینھم سے خارج ہو تو اس کا مصداق بھی تو لکھیں تاریخ سے دکھایئے۔

حضرت معاویہؓ کا مطالبہ قصاص عثمانؓ کا تھا۔ رافضی مؤرخین نے اسکو خلافت کا جھگڑا بنا دیا۔ اور بعد میں آنے والے تمام مؤرخین مکھی پہ مکھی مارتے گئے۔

سورہ الحجرات بین دلیل ہے کہ صحابہؓ کے جھگڑے عناد، لالچ یا کسی دنیوی غرض کے تحت نہیں تھے اس لئے اس سورہ میں صحابہؓ کے اخلاق بتائے تاکہ رحماءُ بینہم کی صفت اٹھ نہ جائے۔ مثلاً مومن یا تو نیک ہے یا بد۔ رحماءُ بینہم تب رہیں گے۔ جب نیک صورت قائم رہے۔ ان جاءکم فاسق کی تنبیہہ پر غور کریں۔ اگر نیک ہے تو حاضر ہے یا غائب

حاضر ہے تو فرمایا لا یسخر قوم من قوم الخ یہ فتنہ پیدا کرنے والی صفات ہیں غائب ہے تو فرمایا لا یغتب بعضکم بعضاً الخ غیبت سے فتنہ اٹھتا ہے لہٰذا رحماءُ بینہم کا وصف اٹھ جائیگا پس رحماء کی صفت کے مصداق صحابہؓ اور اہل بیت ہمیشہ رہے۔ اس اعتراض کے ساتھ اس حقیقت پر بھی غور کرو کہ اگر رحماء بینہم کا وصف نہ رہے۔ تو اشداءُ علی الکفار تو لازم آئے گا۔ پس صحابہؓ کو اگر اشداء علی الکفار مان لیں تو بتاؤ اہل بیت کو کس کھاتے میں ڈالو گے

ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُسکا آسماں کیوں ہو

سوال :۔

حضرت! آپنے باغ فدک کی افسانوی حیثیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس واقعہ کی افسانویت کی وضاحت فرما دیجئے۔

فرمایا اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں اول یہ کہ انبیاء کی میراث کا ثبوت دوم فدک کس قسم کے مال سے تعلق رکھتا ہے۔

اعتراض :۔

انبیاء کی میراث تو قرآن سے ثابت ہے۔ رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی اور وورث سلیمٰن داؤد

جواب :۔

انبیاء کی میراث مالی نہیں ہوتی بلکہ علمی ہوتی ہے۔ اگر اسے مالی میراث تصور کریں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت کے مطابق حضرت زکریاؑ آلِ یعقوبؑ کے وارث کیسے بنتے ہیں۔ دوسری آیت میں حضرت سلیمانؑ کے ۱۹ بھائی اور تھے۔ قرینہ موجود ہے۔ علمنا منطق الطیر :۔ تو کیا ان سب کو محروم کر کے مالی میراث حضرت سلیمانؑ کو کیسے دیدی گئی۔ لہٰذا انبیاء کی میراث ہمیشہ علمی ہوتی ہے۔

(۲) مال کی قسمیں ہیں۔ میراث میں ملے ہبعہ کے ذریعے حاصل ہو۔ فے یعد غنیمت تو فدک کا تعلق مال فے سے ہے۔ اور مال فے کی تقسیم کا جو طریقہ حضور اکرمؐ نے شروع کیا تھا۔ خلفائے ثلثہ نے وہی اختیار کئے رکھا حضور اکرمؐ کے طریقے

سے ہرگز نہ ہٹے۔

تیسری بات کہ حضرت فاطمہؓ اکیلی فدک کے مطالبہ کے لئے دربار صدیقیؓ میں گئیں۔ کیا کوئی معقول اور صحیح الدماغ آدمی یہ باور کر سکتا ہے کیا یہ حرکت حضرت فاطمہؓ کے منصب اور آپ کی شان کے مطابق ہے۔ جبکہ وہ چیز جس کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی کل کائنات کھجور کے گیارہ درخت ہیں جیسا کہ شیعہ کی کتاب درۃ النجفیہ میں مذکور ہے۔ اگر مطالبہ کرنا ہی تھا تو شریفانہ طریقہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو اس غرض سے بھیجا جاتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے مطالبہ کو صحیح فرض کر لیجئے۔ سوال یہ ہے اس کے جواب میں صدیق اکبرؓ نے کیا کہا۔

(۱) اگر انہوں نے اپنی رائے سے کوئی فیصلہ دیا تو حضرت فاطمہؓ نے اس کی تردید کیوں نہ کی۔

(۲) اگر انہوں نے نبی کریمؐ کی حدیث پیش کی اور حضرت فاطمہؓ خاموش ہوگئیں۔ تو یہ رویہ بالکل انکی شان کے مطابق اور مسلمان کا شیوہ ہے اور اگر یہ حدیث صحیح نہیں تو انہوں نے کیوں نہ کہا کہ یہ حدیث غلط ہے۔ اگر انہوں نے نہیں کہا اور واقعی نہیں کہا تو آج کے ان بزرجمہروں کو یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ اس حدیث کو غلط قرار دیں حضرت علیؓ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے کیوں نہ کہا کہ یہ حدیث غلط ہے۔

اعتراض :-

حدیث میں موجود ہے کہ غضبت فاطمہؓ علی ابی بکر ولم تکلمہ حتی ماتت۔

جواب :-

پہلی بات یہ ہے کہ یہ الفاظ کس کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زہری کے ہیں۔ اس کو کس نے بتایا کہ فاطمہؓ ناراض ہوگئیں۔ کیا حضرت فاطمہؓ کا کوئی قول موجود ہے کہ میں ناراض ہوں؟

یہ زہری کا قول ہے۔ نہ قول رسولؐ ہے۔ نہ کسی صحابیؓ کا قول ہے نہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ نہ حضرت فاطمہؓ کا۔ اور زہری شیعہ ہے جس کا خود شیعہ اعتراف کرتے ہیں۔ تو شیعہ بھلا تقیہ جیسی عبادت کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ بالخصوص جب صحابہ کا معاملہ ہو تو تقیہ پورے جوبن پر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ولم تکلمہ میں متکلم فیہ محذوف ہے۔ اور قرینہ موجود ہے کہ حدیث سن کر حضرت فاطمہؓ سراپا اتباع نبوتؐ بن کر خاموش ہوگئیں اور پھر ساری زندگی فدک کے بارے کوئی بات نہیں چھیڑی۔ بالفرض اگر حضرت فاطمہؓ طبعی طور پر اور وقتی طور پر ناراض بھی ہوئیں تو یہ بالکل جذباتی اور وقتی بات ہے۔ جب کہ رضیت

فاطمہؓ کے الفاظ شرح کبیر (نہج البلاغہ) درۃ النجفیہ اور حق الیقین میں موجود ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں علل الشرائع، احتجاج طبرسی، حق الیقین اور جلاء العیون میں لکھا ہے کہ نکاح کے دن سے موت تک حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ سے راضی نہیں ہوئیں

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ یہ سارا واقعہ ایجاد یہ قسم کا ایک افسانہ ہے۔ جس میں نادان دوستوں نے حضرت فاطمہؓ کا امیج اس طرح بنایا ہے جو ہرگز ان کی شان کے شایاں نہیں۔ بلکہ ان کی توہین ہے

سوال :-

حضرت :- آیۂ تمکین فی الارض بھی ذرا وضاحت طلب ہے۔ فرمایا پڑھو۔ الذین ان مکناھم فی الارض اقاموالصلوٰۃ واٰتوالزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (۲۲ : ۴۱)

ترجمہ :- یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں۔ تو نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں اور بھلے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔"

۱ :- اس سے پہلے مہاجرین کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اس لئے ہم میں ہم ضمیر کا مرجع مہاجرین ہیں۔

۲ :- مہاجرین میں سے جسکو تمکین عطا ہوئی یعنی حکومت ملی اس کے اوصاف یہ ہوں گے۔

۳ :- آیت میں ان شرط ہے۔ فعل شرط مکناھم فی الارض ہے۔ باقی جزا ہے۔ شرط اور جزا میں اتصال ہوتا ہے۔ منطقیوں کے اتصال باللزوم ہے۔ یعنی جہاں شرط ہوگی جزا لازماً مرتب ہوگی۔

یعنی مہاجرین کو حکومت ملے گی تو وہ لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ اب اس بات کا مصداق تاریخ سے تلاش کیجئے۔

۱ :- خلفائے اربعہ مہاجر تھے۔

۲ :- انکو حکومت دی۔

لہٰذا اس کی جزا لازماً تسلیم کرنا پڑے گی۔ اس لئے خلفائے راشدین کا کامل الایمان ہونا ثابت ہو گیا۔

نفس حکومت کے متعلق یہ فرق سمجھ لیجئے حکومت سے مراد ہے۔ حکومت بطور امر واقعہ مگر شیعہ ذہنی اور اعتقادی حکومت کے قائل ہیں اور یہ ان کی مجبوری ہے۔ کیونکہ حضرت حسنؓ کے بعد فی الواقعہ ان کے کسی امام کو حکومت نہیں ملی۔ اور یہاں قرآن بالفعل حکومت بتاتا ہے۔ اعتقادی نہیں۔ آیت میں تمکین، فی الارض کی قید سے مقید ہے۔ جو بالفعل حکومت کا تقاضا کرتا ہے۔

آیت تمکین کے ساتھ آیت دعوت اعراب پر بھی غور کر لیا جائے تو خلافت راشدہ کی حقانیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور ارشاد باری ہے

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی بأس شدید تقاتلوھم اویسلمون (۴۸ : ۱۶)

ترجمہ :۔ اے نبی! پیچھے رہ جانے والے اعراب سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہیں بلایا جائیگا ایک سخت جنگجو قوم سے لڑنے کے لئے تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اگر تم نے (اس بلانے والے کی) اطاعت کی تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا۔ اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے۔ تو تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

• سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر حضور اکرمؐ پر نبوت ختم نہ ہوتی تو اس آیت کا مصداق کوئی نبی ہوتا جو ان اعراب کو بلاتا کیونکہ اسکی اطاعت پر اجر اور عصیاں پر عذاب کی وعید ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ پہلے پلٹ جانے والے اعراب کون تھے پھر انہیں بلایا کس نے؟ واقعہ یہ ہے کہ علم حدیبیہ میں حضور اکرمؐ نے اعلان فرمایا تھا۔ کہ ہر پگڑی باندھنے والا اس علم میں شامل ہو۔ کچھ بدو شامل نہ ہوئے کہ مارے جائیں گے۔ ان اعراب کو کہا جا رہا ہے کہ عنقریب پھر تمہیں ایک داعی بلائے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ داعی شیخین ہی تو تھے۔

شاہ ولی اللہؒ نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ داعی سے مراد نبی نہیں کیونکہ اگر نبی مراد ہوتا تو الفاظ ہوتے ستدعون مرۃ اخری۔ مگر یہاں ستدعون الی قوم اولی بأس شدید آیا ہے۔

اولی بأس شدید سے عرب تو مراد نہیں ہو سکتے اگر عرب مراد ہوتے تو ستدعون الی قومھم آتا۔ پس یہاں قوم سے مراد غیر عرب ہیں حدیبیہ کے بعد مکہ، ہوازن، خیبر اور تبوک چار جنگیں ہوئیں۔ مگر یہ قضیہ غالبانہ ہوا۔ اس لئے یہاں اولی بأس شدید کا اطلاق نہیں۔ حنین کے لئے اذا اعجبتکم کثرتکم کہا گیا ہے۔ اور وہ عرب قوم ہی تھے۔ خیبر میں مخلفین کو شامل ہی نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ صرف حدیبیہ والوں کے لئے تھی۔

تبوک میں تقاتلوھم او یسلمون کی نوبت ہی نہیں آئی۔ یہ قضیہ مانع الخلو ہے۔ مانع الجمع نہیں یعنی یا تو تم لڑو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ اور یہ دونوں باتیں تبوک پر صادق نہیں آتیں۔

پس اولی بأس سے مراد غیر عرب اور جنگجو اقوام ہیں اور وہ ہیں رومی اور ایرانی - اور ان سے حضور اکرمؐ کے زمانہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی - اب تحقیق کیجیئے ان دو اقوام کے ساتھ کس نے جنگ کی حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں وہ اعراب ختم ہو چکے تھے - حضرت علیؓ نے ان اقوام کے ساتھ کوئی جنگ نہیں کی - لہٰذا اس آیت کا مصداق خلافت شیخین کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا - اس آیت سے خلافت راشدہ کا تعین ہو گا - اور خلافت شیخینؓ کی پیشگوئی حق تعالیٰ نے فرما دی جو پوری ہو کے رہی -

اعتراض :-

قرآن انہوں نے جمع کیا - لہٰذا اپنے مطلب کی باتیں جمع کیں -

جواب :-

جب اس قرآن پر تمہارا ایمان نہیں تو تمہارا اسلام کا دعویٰ ہی بے معنی ہے -

ایک صاحب :- حضرت ! اسرار قرآنی کا سلسلہ جو چل پڑا ہے تو چند ایک اور آیات کے متعلق بھی حضرت کی زبانی کچھ سننے کو جی چاہتا ہے فرمایا - کہیئے کونسی آیت آپ سمجھنا چاہتے ہیں -

عرض :- ایک تو گیارھویں پارہ کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے - دوسری آیت مباہلہ ہے اور تیسری آیت تطہیر ہے -

فرمایا آیت پڑھو :-

والسبقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ - الخ (۹ : ۱۰۱)

ترجمہ :- السابقون کے متعلق مفسرین کی دو رائیں ہیں - بعض نے پہلی بیعت مراد لی ہے بعض نے پہلی ہجرت والے - مگر غرض یہ ہے کہ اس سے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والے اور ان کی نصرت کرنے والے مراد ہیں - قرآن نے انکو ممتاز کر کے بیان فرمایا - کہ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل - یعنی فتح مکہ سے پہلے جن صحابہؓ نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور قتال فی سبیل اللہ کیا ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا - البتہ اسی آیت سے سارے صحابہؓ کا جنتی ہونا ثابت ہے - اس آیت سے تین نتائج اخذ ہوتے ہیں -

(۱) سابقون الاولون کا جنتی ہونا یقینی ہے -

(۲) ان کے علاوہ صرف وہ جنتی ہوگا - جو صحیح دل سے ان کا اتباع کرے گا -

تابع اور متبوع دونوں کے لئے رضی اللہ عنہم فرمایا گیا ہے -

(۳) جو صحابہؓ کے خلاف ہے وہ رضی اللہ عنہم

میں داخل نہیں لہٰذا جنتی بھی نہیں۔

اعتراض :-

رضا کا تعلق فعل ہجرت اور نصرت سے ہے۔ ذات سے نہیں۔ اذ تعلیلیہ ہے لہٰذا صحابہؓ کی ذات کو داخل کرنا غلط ہے۔

جواب :-

۱:- اللہ راضی ہوگیا خواہ فعل سے خواہ ذات سے لہٰذا وہ جنتی ہوگئے۔

۲:- رضا کا تعلق ذات سے ہے۔ جیسے زید کاتب تو کتابت کے عنوان سے زید کی تعریف کی گئی ہے۔ اسی طرح ہجرت، نصرت اور بیعت کے عنوان سے صحابہ کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ افعال رضا کی علت ہیں۔ نہ کہ مطلق رضا۔

۳:- ہجرت اور نصرت قضیہ دائمہ ہے۔ جو ان کی ذات سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا۔ جب علت دائمی ہے۔ تو رضا بھی دائمی ہے۔

ہاں تو واتبعوھم باحسان سے اول تو یہ ثابت ہوا کہ صحابہؓ کی اطاعت کے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں۔

دوم یہ کہ اس سے تقلید کا مسئلہ بھی ثابت ہوگیا۔

آیت مباہلہ :- ہر واقعہ ۹ھ کا ہے۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ طیبہ آیا۔ جو صرف چند مردوں پر مشتمل تھا۔ اور کئی سو میں دور سے آیا تھا۔ بات اسلام اور عیسائیت کی ہوئی اور قوم عیسائی اور قوم مسلمان کی طرف سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ حضور اکرمؐ نے مباہلہ کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا ہمیں مہلت دیجئے سوچ کے جواب دیں گے۔ چنانچہ وہ اٹھ کے چلے گئے اپنے اکابر سے مشورہ کیا۔ واپس آئے اور مباہلے سے انکار کر دیا۔ اصل واقعہ صرف اتنا ہے۔ مگر یار لوگوں نے اس میں ایسے ایسے رنگ بھرے ہیں کہ خدا کی پناہ مثلاً۔

(۱) حضور اکرمؐ گھر گئے اور حضرت فاطمہؓ حسنینؓ اور حضرت علیؓ کو لے کر باہر آئے اور فرمایا تم بھی لاؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کی صرف ایک بیٹی تھی اور ہوتیں تو انہیں بھی لاتے

الجواب :-

اصلی بات تو یہ ہے کہ یہ حرکت حضور اکرمؐ کی ذات سے منسوب کرنا۔ خلاف عقل اور خلاف شرافت ہے۔ آپ سوچیں کہ کراچی سے کچھ مرد آپ کے پاس آئیں اور مباہلہ کی صورت پیدا ہو جائے اور آپ دوڑے کے اندر سے اپنی خواتین لے آئیں اور ان سے کہیں کہ تم بھی پیش کرو۔ جبکہ آپ کو معلوم ہو کہ انکی خواتین تو کراچی میں ہیں۔ تو کیا اس سے زیادہ چھچھورا پن

کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ آپ ایسی حرکت کا اپنی ذات سے نسبت کرنا گوارا نہیں کریں گے۔ تو کتنے دلیر ہیں وہ لوگ جنہوں نے ایسی حرکت حضور اکرمؐ کی ذات سے منسوب کر دی ہے۔

دوسری بات اگر نجران کے وفد کے ساتھ مستورات ہوتیں۔ اور حضور اکرمؐ حضرت فاطمہؓ کو لاتے تو کیوں؟ جب ۹ھ تک حضور اکرمؐ کی باقی تینوں بیٹیاں فوت ہو چکی تھیں تو کیا وہ انہیں قبر سے اٹھا کے لاتے۔ غرض یہ دونوں باتیں خلاف عقل بھی ہیں اور خلاف تہذیب بھی ہیں۔

(۲) انفسنا سے مراد حضرت علیؓ ہیں لہٰذا خلافت بلا فصل ثابت ہوئی

الجواب:۔

نفس رسول کی موجودگی میں دوسرا شخص خلیفہ یہ کیسے ممکن ہے۔ پھر علیؓ اگر نفس رسول ہیں۔ تو حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیسے جائز ہوا۔

(۳) اعتراض:۔ اضافت شے طرف نفس باطل ہے پس النفس سے مراد اور لینا اور "نا" سے مراد اور لینا باطل ہے۔

الجواب:۔ الفاظ میں تغیر آجائے تو اس کی اضافت اس کی طرف جائز ہے۔ ویحذرکم اللہ نفسہ

انفسنا میں تغائر لفظی موجود ہے۔ اضافت معرفہ کی نکرہ کی طرف ہو رہی ہے۔

پھر یہ ہے کہ بعض ان روایات کی تکذیب کرتی ہے۔ روایات کی سند لائیے۔ آپ ان روایات کی سند کی پڑتال کریں تو اسناد میں رافضی نکلیں گے۔

آیت تطہیر:۔ تفسیر قرآن کیلئے بنیادی طور پر تین امور کی ضرورت ہوتی ہے۔۔

(۱) سیاق و سباق (۲) حقیقی معنی (۳) صحابہؓ سے صحیح نقل۔

(۱) جہاں تک سیاق و سباق کا تعلق ہے۔

اہل بیت سے مراد بیویاں ہیں۔ جب ہدایات دی جا رہی ہیں۔ ازواج مطہراتؓ کو تو انعام غیروں کو کیوں؟

(۲) اذھاب چاہتا ہے وجود کو یعنی کسی چیز کے جانے کا سوال تب پیدا ہوتا ہے جب اس کا وجود ہو۔ پس اذھاب رجس سے پہلے گویا رجس موجود تھا۔ لہٰذا یہاں سے اہل بیت کا معصوم ہونا نہیں بلکہ رجس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اور رجس سے مراد اخلاقی رجس ہے۔

یرید۔ مضارع کا صیغہ ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ عمل مستقبل میں ہوگا۔ پس وہ آیت لائیے جس میں الفاظ یہ ہوں کہ تطہیر کا عمل کر دیا

ہے۔ اس کے جواب میں یار لوگ تفسیر مظہری کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔ کہ عیسےؑ کو اللہ تعالےٰ نے شیطان کے مس سے محفوظ رکھا۔ وہاں دعا نقل کی۔ وہاں قاضی ثناء اللہ صاحب نے اپنی رائے پیش کی کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسنینؓ کو بھی مس شیطان کے محفوظ رکھا ہوگا۔

الجواب:۔ یہ قول قاضی صاحب کا ہے روایت نہیں۔ اس قول سے بھی زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ پیدائش کے وقت مس شیطان سے محفوظ رکھا۔ بعد کی عصمت تو صرف انبیاء کا خاصہ ہے۔

۲۔ حقیقی معنی:۔ اہل بیت سے مراد مرد ہو ہی نہیں سکتے صرف عورت ہوتی ہے۔ مرد مجازاً ہوتے ہیں جو اس گھر میں آجا سکتے ہیں۔ اس اصول کے تحت حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ اور حضرت صدیقؓ بھی اہل بیت مجازی میں شامل ہیں۔ قرآن شاہد ہے۔

اوّل:۔ اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکتہٗ علیکم اھل البیت۔ (۱۱: ۷۳)

یہاں خطاب صرف حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ کو ہوا۔

دوم:۔ اخت موسیٰؑ نے کہا ھل ادلکم علی اھل بیت۔ اس سے پہلے۔ وحرمن علیہ المراضع یہاں مراد حضرت موسیٰؑ کی ماں ہے۔

سوم:۔ واذ غدوت من اھلک۔ احد کی لڑائی کے وقت حضور اکرمؐ حضرت عائشہ کے حجرے سے نکلے یہاں اہل سے مراد زوجۂ نبیؐ ہے۔

چہارم:۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق اذ قال لاھلہٖ امکثوا یہاں سوائے بیوی کے اور کوئی نہیں تھا۔

۳۔ صحیح نقل:۔ تمام مفسرین اہل بیت سے مراد ازواج مطہراتؓ ہی لی ہے۔ حتیٰ کہ شیعوں کی کتاب درۃ النجفیہ میں اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے۔ کہ "اگر ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو یہاں مراد تو بیویاں ہیں۔ حضرت حسنؓ حسینؓ علیؓ و فاطمہؓ کو دعائی اہل بیت کہتے ہیں حقیقی نہیں کیونکہ اگر یہ حقیقی اہل بیت ہوتے تو دعا مانگنے کی ضرورت کیا تھی۔

رہا ان کی عصمت کا سوال تو کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے کملی اوڑھائی اس لئے معصوم ہوگئے حیرت ہے کہ ۵ منٹ کے لئے ایک چادر کے مس نے ان حضرات کو معصوم بنا دیا۔ مگر حضرت حفصہؓ اور عائشہؓ کو عمر بھر رسول کریمؐ کا بدن بستر اور کمبل معصوم نہ بنا سکا۔

جو بات کہی خدا کی قسم لاجواب کہی

یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

مختار احمد اعوان

حضرت شیخ المکرمؒ نے ملک کے مختلف مقامات پر اصلاح و تبلیغ کے سلسلے میں جو بیانات فرمائے ان میں سے چندہ ایک کا خلاصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے۔ حاضر ہو رہا ہوں۔

۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاءُکُمْ وَاَبْنَاءُکُمْ .... الخ

قربِ الٰہی دو چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ قربِ فرائض، قربِ نوافل، قربِ فرائض کے بغیر قربِ نوافل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن نے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ کفار جو قربِ الٰہی سے محروم ہیں۔ قربِ فرائض والے اور قربِ نوافل والے۔

السابقون (قربِ نوافل) اور اصحاب المیمنہ (قربِ فرائض) واما ان کان من المقربین قربِ نوافل والے واما ان کان من اصحاب الیمین قربِ فرائض والے۔

حدیث قدسی میں یہی مضمون بیان ہوا ہے قربِ فرائض اور قربِ نوافل۔

فرائض کی ادائیگی میں سنت کے اتباع اور خلوص قلبی لازمی ہیں۔ یہ دونوں کا چیزیں قرب کا ذریعہ ہیں۔

قربِ نوافل والوں کے متعلق چار مرتبے۔ ولا عبدی، قریب + محبوب، خرق عادات اور مستجاب الدعوات بنا دونگا۔

شاہ ولی اللہؒ نے دعا کے متعلق عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے۔ کہ قرآن کریم انبیاء کی دعاؤں کا ذخیرہ موجود ہے۔ انسان جب مانگیں تو وہی دعائیں مانگیں یقیناً قبول ہوں گی۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ کلمہ تین قسم کا ہے۔

(۱) کفر کی سرحد عبور کر کے اسلام میں داخل ہوتا ہے

(۲) خواص کے لئے یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ

(۳) اخص الخواص کے لئے لا الٰہ الا انت

اور یہی اسم اعظم ہے۔ قرآن کریم نے حضرت یونس کی کی یہ دعا بیان کر کے اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان بیان فرمایا کہ فاستجبنا لہ، گویا یہ الفاظ قبولیت کی ضمانت ہے۔

مجھے بے شمار خطوط روزانہ آتے ہیں۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہوتی ہے۔ کہ ہر شخص پریشانی کا انحصار کرتا اور اس کا علاج چاہتا ہے۔ اس کا واحد

علاج یہ ہے کہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
اور لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین
کثرت سے پڑھو۔

شارعین حدیث نے نکتہ بیان کیا ہے کہ مختلف اوراد کا ثواب بیان ہوا ہے۔ مگر لاحول الخ کا ثواب بیان نہیں ہوا وجہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے ایک خزانہ ہے۔ اور خزانہ مخفی رکھا گیا ہے۔ اس کی پانچ تسبیح روزانہ رزق کی فراخی کے لئے اکسیر ہے۔

نفل ضحی:۔ پہلی رکعت والشمس دوسری میں واللیل، تیسری میں والضحیٰ چوتھی میں الم نشرح رزق کی تنگی نہ رہے گی۔

آخر میں ایک بات سن لیں مجھے ایک عالم نے خط لکھا ہے کہ سابقہ اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے مصلیٰ کے نیچے سے مال ملا کرتا تھا۔ آپ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتا دیں کہ میرے مصلیٰ کے نیچے سے پیسے ملا کریں۔

میں نے لکھا کہ عالم ہو کر اتنا طمع تعجب کی بات ہے۔ کسب متعارف ایک حقیقت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی ولی اللہ کی دعا سے انسان کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یہ ہے خرق عادت۔ تیسری یہ کہ تھوڑا سا ذخیرہ ہو اہل اللہ دعا کرے اس میں برکت ہو۔ جیسے تبوک کا واقعہ، چوتھی بات یہ جو آپ نے پوچھی ہے یہ جن چرا کے لاتے ہیں اور یہ بالکل حرام ہے میں نے آج تک دنیا کے حصول کے لئے وظیفہ پڑھا ہی نہیں۔

۷ جولائی ۱۹۷۷ء

ولقد ارسلنا نوحًا و ابراھیم وجعلنا فی ذریتھم النبوۃ والکتاب الخ

قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی ذریت کو ظرف بیان کیا ہے اور نبوت کتاب کو مظروف ایک مجلس میں میں نے اسی آیت سے ثابت کیا تھا۔ کہ مرزائی نبی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ذریت ابراہیم میں سے نہیں ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نبوت اور وحی انسانوں کے ساتھ مختص ہے جنوں یا فرشتوں یا کسی اور مخلوق کا یہ حصہ نہیں۔ جنوں کے لئے نبوت اور ولایت نہیں فرشتوں کے لئے ترقی نہیں۔ یہ صرف انسان ہے جو قرب الٰہی میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ ان آیات میں بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسٰیؑ کا ذکر ہے پھر ان کی امت کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کی امت کے دو وصف بیان فرمائے رافت اور رحمت رافت کا لفظ دفع ضرر کے لئے ہوتا ہے اور قاعدہ یہ ہے۔ کہ جلب منفعت سے دفع ضرر مقدم ہوتا ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق ارشاد ہے
اشداء علی الکفار رحماء بینھم

اوصاف دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اوصاف بحالہ اور ایک اوصاف بحال متعلقہ طرفہ ایک جاہل

شائع ہوا ہے لکھتا ہے کہ کسی انسان کے حالات معلوم کرتا ہوں تو اس کے ساتھیوں کو دیکھ لو۔ حضورؐ کے صحابہ کے اوصاف امت عیسوی کے اوصاف سے مختلف ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ امت عیسوی میں جہاد فرض نہیں تھا۔ اور امت محمدیہ میں جہاد فرض ہے۔ اور جہاد کے لئے یہ دونوں وصف ضروری ہیں۔

حضرت عیسٰیؑ کے رفع سماوی کے بعد ۹۰ سال تک دین صحیح حالت میں رہا اس کے بعد اس میں طرح طرح کی آمیزشیں شروع ہوئیں کہ مسخ ہو کے رہ گیا جب بگاڑ شروع ہوا تو اس کی اصلاح کرنے کیلئے علما نے کوششیں کیں۔ مگر جب فساد غالب آگیا تو کمزور لوگوں نے اپنا ایمان بچانے کے لئے تنہائی اختیار کی یہی رہبانیت تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ ایسے پست ہو گئے کہ رہبانیت جو انہوں نے خود تجویز کی تھی۔ اس کے تقاضے بھی پورے نہ کر سکے۔

امت محمدیہ میں رہبانیت نہیں۔ ہاں انسان اپنی اصلاح کے لئے لذت پرستی پر قدغن لگا سکتا ہے۔ مگر اللہ ورسولؐ کے حلال کو اپنے لئے حرام قرار دینے یعنی اعتقاداً یا عملاً اصلاح نہیں حرام ہے۔ اسی طرح خلاف سنت رسول یا خلاف تعامل امت اپنے اوپر کوئی ایسی پابندی لگانا جیسے حرام ہو یہ بھی خلاف شریعت اور حرام ہے۔

ہمارا مسلک اہل سنت والجماعت ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ظاہری اور باطنی دونوں کو سنبھال رکھا ہے۔ تعلیمات نبویؐ کے امین بھی ہم ہیں اور برکات صحبت نبویؐ کے حاملین بھی یہی اہل سنت والجماعت ہیں۔ یہاں بھی ہے۔ تزکیہ نفس بھی ہے۔ جسے تصوف وسلوک کہتے ہیں۔ علماء بھی اسی میں ہیں۔ اولیاء بھی اسی میں ہیں۔

۸ جولائی ۱۹۷۷ء

قرآن نے اوصاف بحالہ چھوڑ دیئے ہیں بجال متعلقہ بیان کر دیئے۔ صحابہ کا کمال یہ بیان کیا کہ قوت غضبیہ اور قوت شہویہ دونوں ان کے تابع ہیں۔ یہ ان دو قوتوں کے تابع نہیں یہ کمال حضور اکرمؐ کی تربیت کا تھا۔ حضور اکرمؐ کی تعلیم ایک ہے مگر زندگی کے ہر شعبے میں ایسے اہل کمال پیدا ہوئے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت۔۔۔۔ الخ

(۱) حضرت امام احمد بن حنبل نے خلق قرآن کے مسئلہ پر کتنے مصائب برداشت کئے۔ معتزلہ نے کہا قرآن مخلوق ہے۔

امام شافعیؒ کو حضور اکرمؐ نے خواب میں فرمایا امام احمد کو میرا سلام کہنا اور بتانا کہ تم پر سخت امتحان آرہا ہے ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ تمہارے مراتب بلند کرے گا۔ آپ نے اپنے شاگرد ربیع کو یہ پیغام دیکر امام احمد کے پاس

بھیجا۔ امام سن کے رونے لگے۔ کہ میں بھی بھلا امتحان کے قابل ہوں۔ پھر اپنا کرتہ اسے انعام کے طور پر دیدیا۔ اس کے سترہ ماہ بعد یہ واقعہ پیش آیا۔

اللہ کی صفات ذاتی :۔ وجود، حیات، کلام، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ ان کا وجود ہے یا نہیں۔ ہمارے ہاں دونوں چیزیں ہیں۔ حیات ہے موت بھی ہے۔ علم بھی جہل بھی ہے۔ علی ہذا القیاس

یہاں بات صفت کلام کی ہے اور کلام صفت ذاتی ہے۔ لا عینہٗ ولا غیرہٗ۔

ماموں رشید کا وزیر تھا احمد بن داؤد اس نے یہ مسئلہ چھیڑا ماموں کو مشورہ دیا کہ علماء سے تحریر لی جائے کہ قرآن مخلوق ہے۔ حکومت کے جبر سے تمام علما نے اقرار کر لیا۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح نے انکار کر دیا۔ گورنر نے بیڑیاں لگا کر اونٹ پر سوار کر کے ماموں کے پاس بھیج دیا۔ راستے میں امام نے دعا کی اللہ اگر یہ کلام غیر مخلوق ہے۔ تو ماموں الرشید کا منہ مجھے نہ دکھانا راستے میں ایک آدمی اور ابو الہثیم نام تھا اس نے کہا میری دوستی شیطان سے ہے۔ ۲۴ سال سے ہر مصیبت سہہ رہا ہوں مگر اس سے دوستی نہیں چھوڑی تو نے رب العلمین سے دوستی لگائی ہے۔ پھسل نہ جانا۔ راستے میں اطلاع ملی کہ ماموں مر گیا ۲۲۷ھ میں طرطوس سے واپس کر دیا ۱۸ ماہ بغداد جیل میں رہے۔ محمد بن نوح راستے میں فوت ہو گئے۔ معتصم نے احمد بن داؤد سے امام کا مناظرہ

کرایا۔ اس نے سوال کیا قرآن کے متعلق کیا خیال ہے مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ آپ نے سوال کیا۔ ما تقول فی علم اللہ۔ یعنی اللہ کے علم کے متعلق تیری کیا رائے ہے۔ القرآن من اللہ۔ اس نے پھر کہا کان اللہ ولم یکن القرآن۔ یعنی اللہ موجود تھا۔ قرآن موجود نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ موجود ہے۔ ولا علم اللہ

اس نے پھر سوال کیا۔ قرآن شے ہے۔ یا غیر شے ہے آپ نے فرمایا قرآن شے ہے۔ کہنے لگا اللہ خلق کل شیئ تو قرآن مخلوق ہوا۔ جب کل شئی کا خالق ہے۔ آپ نے فرمایا بلقیس کے متعلق قرآن کہتا واوتیت من کل شیئ کیا اس کو مرد کی قوت بھی دی گئی۔ تدمر کل شئی فاصبحو الایری الا مساکنھم۔

فرمایا انما قولنا لشئی اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون۔

یہاں شے سے کیا مراد ہے۔ "کن" مخلوق نہیں اس سے مخلوق کو پیدا کیا گیا۔ کن کا تعلق وجود سے ہے۔ جس کا وجود ہی نہیں اسے کن کہنے کا کیا مطلب۔

وجود دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وجود علمی ایک ایک وجود حسی۔ اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں پیدا کرنی ہیں ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر ہے۔ ہر موجد اور صاحب فن جو چیز بنانا چاہتا ہے۔ اس کا وجود علمی اس کے ذہن میں ہوتا ہے۔ کن کے لفظ کا تعلق وجود

علمی سے ہوتا ہے۔ آخر امام صاحب نے یہ آیت پڑھی ان ربکم اللہ الذی ...... الا لہ الخلق والامر یعنی امر اور چیز ہے۔ مخلوق اور چیز ہے۔ پھر واثق باللہ آگیا۔ اس نے بھی مناظرہ کیا۔ ابوعبدالرحمٰن اور احمد بن داؤد کے درمیان انہوں نے احمد بن داؤد سے پوچھا تو لوگوں کو کس چیز کی دعوت دیتا ہے اس نے کہا خلق قرآن کی طرف انہوں نے فرمایا کیا محمد رسول اللہ کو اس کا علم تھا یا نہیں؟ کہنے لگا علم تھا۔ فرمایا کیا حضورؐ نے یہی دعوت دی جو تم دے رہے ہو۔ ایک خلفائے راشدین نے یہی دعوت دی؟ احمد بن داؤد چپ ہو گیا۔ ابوعبدالرحمٰن نے واثق باللہ کو کہا امیرالمومنین یہ میرا پہلا سوال ہے۔ پھر پوچھا کیا خلق قرآن کا مسئلہ ضروریات دین میں داخل ہے کیا اس کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہو سکتی؟ کہا نہیں ہو سکتی۔ فرمایا دین کی تکمیل تو الیوم اکملت کے وقت ہو چکی۔ مگر حضور نے تو اس دعوت کو دین کا حصہ قرار نہیں دیا۔ پھر فرمایا۔ کیا حضورؐ نے بلغ ما انزل الیک من ربک کا حکم اللہ تعالےٰ نے دیا۔ اگر دیا تو حضورؐ نے مخلوق قرآن کے عقیدے کی تبلیغ کیوں نہ کی۔ پھر خاموش ہو گیا۔ واثق نے زر کثیر انعام کے طور دی۔ آپ نے واپس کر دی۔ فرمایا جب میں گھر سے چلا تو اہل خانہ کو وصیت کی تھی کہ جب میں مارا جاؤں تو یہ بیڑیاں میری قبر میں رکھنا۔ کل قیامت کے دن میں یہ بیڑیاں پہن کر اللہ کے حضور پیش ہونگا۔ اور عرض

کروں گا۔ الٰہی میں نے تیرے قرآن اور تیرے دین کی خاطر یہ قربانی دی۔ واثق زار و قطار رونے لگا اور درخواست کی کہ آپ میرے پاس رہیں۔ یہ واقعہ ۲۳۱ھ کا ہے۔

اس کے بعد متوکل آگیا۔ نہایت دیندار تھا اس نے یہ باب ہی بند کر دیا۔ اس نے امام احمد بن حنبل کو بلایا لیکن آپ نہ گئے۔

واثق کے آنے تک امام احمد کو جو کوڑے مارے گئے۔ اہل نظر کا کہنا ہے۔ کہ اگر وہ کسی ہاتھی کو بھی لگتے تو برداشت نہ کر سکتا۔ لیکن اس مرد خدا کے تحمل پر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی سختی رہے لیکن دین سے ہٹنے کا نام نہیں لیا۔

جس روز کی وفات ہوئی۔ ۲۵ لاکھ آدمی جنازے میں شریک ہوا۔ ۲۰ ہزار غیر مسلم اس روز مسلمان ہوئے۔ یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔

لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

۲۷ نومبر ۱۹۸۱ء

محمد رسول اللہ والذین معہ ..... الخ

حضور اکرمؐ نے جو دین سکھایا، صحابہ نے جو اپنایا خلفائے راشدین نے جسکی تبلیغ کی وہ ایک ہی دین تھا کوئی فرقہ نہیں اور وہی دین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ نبی کے فرائض دوگونہ ہوتے ہیں۔ باطنی پہلو سے نبی۔ اپنے رب سے تعلیمات دیتا ہے۔ اور

ظاہر پہلو سے مخلوق کو پہنچاتا ہے۔ باطنی پہلو سے تعلیمات لینے کے لئے عصمت ۔شرط ہے۔ پہنچانے کے لئے عصمت شرط نہیں۔ لہٰذا نبی معصوم ہوتا ہے۔ چونکہ نبی کے بغیر اللہ سے احکام لینے والا کوئی نہیں ہوتا لہٰذا نبی کے بغیر کوئی معصوم بھی نہیں ہوتا۔ نبی کے بغیر کسی کو معصوم لکھنا اسکو نبی تسلیم کرنا ہے اور یہ سراسر کفر ہے۔ ختم نبوت کا انکار ہے۔ جہاں تک تعلیمات نبوی کا تعلق ہے اسے حاصل کرنے کے لئے ایمان بھی شرط ہے۔ غیر مسلم بھی قرآن پڑھ سکتا ہے مگر نور نبوت جو صحبت نبوی میں بٹنا شروع ہوا اس کے لئے ایمان شرط ہے۔ اور یہ دولت صرف اہل السنت والجماعت کا حصہ ہے۔ کیونکہ مَا انا علیہ واصحابی کی روشن صرف انہوں نے اپنائی ہے۔ جب حضور اکرمؐ نے نبوت کا اعلان فرمایا اسوقت صرف دو فرقے موجود تھے۔ ایک اہل کتاب دوسرے مشرکین۔ مشرکین تو آپ کے قتل کے درپے تھے اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی ان دونوں نے حضور اکرمؐ کو معاذاللہ ڈاکو کہا۔ پادری فنڈر نے یہاں بھی اعلان کیا تھا۔ اور علماء کو چیلنج کیا تھا اس نے میزان حق ایک کتاب لکھی ہے۔ مولانا رحمت اللہ نے فنڈر کو خط لکھا پھر مناظرے کا اعلان کر دیا۔ اور فرمایا کہ تقریری مناظرے کے بعد عملی مناظرہ ہوگا۔ ترک مذہب شرط ہوگی۔ عملی مناظرہ یوں ہوگا۔ کہ ہم کسی قبر پہ کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کریں گے کہ یہ مردہ زندہ ہو کر بتائے کہ اسلام سچا مذہب ہے یا نہیں۔ اس کے جواب پر ترک مذہب کرنا ہوگا۔ یہ اس لئے کہ انبیاء کے پاس معجزہ ہوتا ہے۔ وہ معجزہ کرامت کی صورت میں نبی کے متبعین کے پاس آتا ہے۔ عیسےٰؑ کا یہ معجزہ تھا۔ اب دیکھتے ہیں کہ عیسےٰ کا صحیح پیرو مسلمان ہیں یا عیسائی فنڈر سن کر بھاگ گیا۔ اور ترکی چلا گیا۔

مختصر یہ کہ حضور اکرمؐ کی نبوت کی شہادت نہ تو مشرکین دیتے ہیں نہ اہل کتاب تو اس کے عینی شاہد کون ہوئے۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف صحابہ کرامؓ ہیں۔ مہاجرین وانصار ہیں۔ اگر یہ گواہ سچے نہیں تو حضورؐ کی نبوت کی دلیل کیا ہے۔ صحابہؓ سے کٹ کر حضورؐ کی نبوت کو کوئی ثابت کر ہی نہیں سکتا۔ حضورؐ نے تو دین صحابہؓ کو پہنچایا۔ صحابہؓ ہی نے دین نقل کر کے آنے والی نسلوں کو پہنچایا۔ اگر وہ قابل اعتبار نہیں تو دین کا کہاں اعتبار رہے۔ جس مذہب کی بنیاد ہی صحابہؓ کی مذمت اور ان سے نفرت پر ہو اس مذہب کا اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اس نے حضور اکرمؐ کی ۲۳ سالہ محنت پر پانی پھیر دیا۔ جب یہ عقیدہ ایجاد کر کے اپنایا کہ تین کے بغیر سارے صحابہ مرتد ہو گئے۔ اور وہ تین چار بھی ان کے بقول عمر بھر سچی بات کہہ سکے۔ ہاں ان کے جھوٹ کا نام تقیہ رکھا۔ اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام نفاق رکھا۔ یعنی معاذاللہ نبی کریمؐ نے ۲۳ برس میں ایک آدمی بھی ایسا تیار نہ کیا

کیا جو سیدھی بات ہی کہہ سکے۔ اس سے بڑھ کر نبی کریمؐ اور اسلام کی مخالفت بھلا کیسے ہو سکتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

یاد رکھو ہدایت کا راستہ وہی ہے جس کو حضور اکرمؐ نے ما انا علیہ واصحابی کہہ کر روشناس کرایا۔

۲۱ مئی ۱۹ء

سبحان الذی اسری بعبدہ ..... الخ

حضور اکرمؐ کے معراج کی تاریخ کی تعین میں اختلاف ہے اس سلسلے میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ علامہ زرقانی نے ایک جلد مستقل طور پر لکھی ہے۔ ایک ہے معراج اور ایک ہے اسریٰ۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اسریٰ ہے اس کے بعد معراج ہے۔ یہ نص سے ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے۔ یاد رکھئے معجزہ کا ثبوت عقلی استدلال سے کرنا اصول کے خلاف ہے۔ جہاں ایک طرف اتنا لمبا سفر اور پھر مکالمہ باری کا بیان ہے وہاں دوسری طرف یہ حقیقت کہ حضورؐ واپس آئے تو وضو کا پانی چل رہا ہے۔ اور دروازے کی زنجیر ہے بھلا عقل کیسے تسلیم کرے۔ مگر ایک بات تو مادی دنیا میں عقل تسلیم کرتی ہے کہ جب حکمران کی سواری چلتی ہے۔ تو سڑک پر دوسری ٹریفک معطل ہو جاتی ہے۔ پھر عقل یہ کیوں تسلیم نہیں کرتی کہ شاہ دو جہاں کی سواری جب مکہ سے چلی تو خالق کائنات نے زمانے کی ٹریفک کو روک دیا۔ حضور اکرمؐ براق پہ مکہ سے چلے بیت المقدس میں پہنچے تمام انبیاء وہاں جمع ہوئے اذان ہوئی جبریل آمین نے حضور اکرمؐ کو امامت کے مصلّٰی پہ کھڑا کیا آپ نے نماز پڑھائی وہیں سے امام الانبیا کا لقب ملا پھر قیامت کے متعلق باتیں ہوئیں۔ پھر اسی جگہ پہ آیت نازل ہوئی۔

وسئل من ارسلنا قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الهة يعبدون۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو انبیاء وہاں حاضر تھے۔ وہ ارواح تھے۔ یا اجسام تھے۔ یا ارواح مع الاجسام تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے دو قول نقل کئے۔ ایک یہ کہ ارواح نے انسانی شکل میں آ کر نماز پڑھی دوسرا یہ کہ روح معہ برائے استقبال کے لئے آئے۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک تمام مسلمان مفسرین محدثین فقہاء متکلمین اس مسئلہ پہ متفق ہیں۔ کہ روضۂ اطہر پہ جب صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ تو نبی کریمؐ سنتے ہیں۔ کسی کا اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔

ایک اور مسئلہ آج کل شائع ہے کہ عذاب وثواب جسم مثالی کو ہوتا ہے۔ جسم عنصری کو نہیں یہ بات سمجھ لیجئے کہ عذاب وثواب قبر کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے ضروریات دین کا منکر یا اس کی تاویل کرنے والا خارج از اسلام ہے۔ اس کے متعلق ۷۰ سے زائد حدیثیں آچکی ہیں۔ بخاری کی حدیث ہے کہ بندہ جب قبر میں رکھا جاتا

ہے .... دو فرشتے آتے ہیں اسکو بٹھاتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں۔ من ربک ..... الخ ..... قبر کی جگہ سے علیین یا سجین شروع ہوجاتا ہے۔ عود روح متواترات میں سے ہے .... وہ جہاں بھی اسی طرح آباد ہے جیسے یہ۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے شرح حدیث النزول میں لکھا ہے۔ کہ عود روح متواترات سے ہے .....

ایمان صفت حقیقی روح کی ہے۔ بدن میں روح اس طرح سرایت کرتا ہے۔ جیسے کوئلے میں آگ۔ زندگی میں مکلف بالذات جسم ہے۔ بالتبع روح ہے۔ موت کے بعد بالذات روح اور بالتبع جسم۔ موت کے بعد روح کا بدن سے تعلق ہوگا تو عذاب و ثواب ہوگا۔ اور دونوں کو ہوگا۔ یہ اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ عذاب و ثواب جسم مثالی کو ہوتا ہے۔ پہلی مشکل یہ ہے کہ اگر روح جسم مثالی میں حلول کرتا ہے۔ تو تناسخ کا قائل ہونا پڑا۔ دوسری بات کہ جب روح کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہوگیا۔ تو ایمان جب صفت روح کی ہے تو جسم عنصری ایمان سے خالی ہوگیا۔ نبی کا جسم نبوت سے خالی کہئے کہ کفر کیا کسی جانور کا نام ہے۔ نادانوں نے صورت مثالی کو جسم مثالی قرار دے لیا۔ جسم مثالی شے دیدنی ہے۔ بودنی نہیں تیسری بات یہ ہے کہ جسم مثالی کا مادہ کونسا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن نے اصول بیان کیا وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ تو جسم مثالی کی طرف کونسا رسول مبعوث ہوا۔ اگر نہیں ہوا تو عذاب و ثواب کیسا۔

پانچویں بات جسم مثالی دار التکلیف میں نہیں آیا تو اسے عذاب و ثواب کیسا۔

لنگر مخدوم:۔

میں یہ چند باتیں بتانا چاہتا ہوں آپ غور سے سنیں اور یاد رکھیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہم یہاں کیوں آتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہم یہاں نہ در و دیوار کو نہ قبر و مزار کو دیکھنے آتے ہیں۔ بلکہ جیسا ہمارا اجتماع منارہ یا چکڑالہ میں ہوتا ہے۔ ایسا ہی یہ اصلاحی اجتماع ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے۔ کہ روح سے اخذ فیض ہوتا ہے۔ روح زندہ ہے۔ روح کی فنائیت آنی بقا زمانی۔ روح حادث ہے مگر اس کو فنا نہیں اس لئے ہم شیخ کے پاس آتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھیں کہ روح سے اخذ فیض کے لئے ضروری ہے۔ کہ زندہ شیخ روح سے رابطہ کرادے۔

شیخ کے لئے شرط یہ ہے۔ کہ عالم ہو۔ مگر کتابی عالم ہونا ضروری ہے۔ جاہل کی بیعت حرام ہے۔ .... دوسری یہ کہ متبع شریعت ہو۔ تیسری بات اعمال قلبی کا اہتمام۔ چوتھی بات کہ فن تزکیہ کا ماہر ہو۔ پانچویں بات یہ کہ اس میں امعہ نہ ہو۔ یعنی ڈھلمل یقین نہ ہو۔ فن تزکیہ کے سیکھنے میں شیخ کا استطاع یوں کرو

جیسے ایک نابینا شخص بینا کا اتباع کرتا ہے۔

تصوف و سلوک کے تین درجے ہیں پہلا ذکر لسانی یہ دوا کوٹنے کا درجہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لطائف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوا کھانا ہے۔ مراقبات و منازل دوا کے اثرات کا ظاہر ہوتا ہے۔ لطائف کے وقت روشنی بجھانا اور زبان اور آنکھیں بند کرنا ۔ ۔ ۔ ۔ ذکر قلبی اور یکسوئی کے لئے اور تاکہ جن نالیوں کے ذریعے باہر سے گندہ مواد آتا ہے۔ انہیں بند کر دیا جائے۔ اور ذکر قلبی سے قلب میں بورنگ شروع کر دی جائے۔ تاکہ اس کے اندر سے انوار و تجلیات کے چشمے ابلنے لگیں۔

۵ جون ۱۹۸۱ء

واذ قال موسیٰ لفتٰہُ الخ

صحابی کسے کہتے ہیں؟ جمہور علمائے کرام نے فرمایا کہ بحالت اسلام اس نے حضورؐ کو دیکھا ہو یا حضور اکرمؐ نے اس کو دیکھا ہو۔ صحابی ہے۔ اسی طرح مراقبہ فی الرسول میں بھی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس نے روحانی طور پر حضور اکرمؐ کے روح انور کی زیارت کی دوسری یہ کہ حضور اکرمؐ نے اس کو اپنے دربار میں دیکھ لیا۔ جس طرح پہلی دونوں صورتوں میں صحابیت کی برکات سے صحابی مستفید ہوا۔ اسی طرح دوسری صورت میں فنا فی الرسول کی برکات سے سالک مستفید ہوا۔ مکاشفات و کرامات کیا ہیں۔ ثمرۂ عمل اسی لئے ایسے لوگ موت کے وقت افسوس کرتے گئے کہ ہمیں ثمرۂ اعمال دنیا میں مل گیا۔ کاش وہ آخرت کے لئے ذخیرہ ہوتا بہر حال یہ مقصودی چیز نہیں۔ مقصد صرف حصول رضائے الٰہی ہے۔ ورضوان من اللہ اکبر۔ کاملین سے یہ چیزیں کم صادر ہوتی ہیں۔

یہ آیتیں جو میں نے پڑھی ہیں ان میں موسیٰؑ و خضرؑ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہود و انصاریٰ نے اس کا بالکل انکار کر دیا۔

اس واقعہ سے کئی حقائق معلوم ہوتا ہے۔

(۱) خادم ایسے بنانا چاہیئے جس میں قوت ہو جوان ہو۔

(۲) زاد راہ لینا سفر میں سنت انبیاء ہے۔

(۳) خادم کا وظیفہ سامان اٹھانا ہے۔

(۴) سفر میں خادم ساتھ رکھنا۔

موسیٰؑ ان علوم سیکھنے کے لئے نہیں گئے جن کا تعلق نبوت سے ہے۔

حضرت موسیٰؑ امور شرعی میں کسی کے محتاج نہیں تھے۔

حضرت خضرؑ کے پاس امور تکوینی کا علم تھا۔ یہ نبوت سے متعلق نہیں

ملفوظات حضرت شیخ المکرم رحمۃ اللہ علیہ

از حافظ عبدالرزاق

آن خیالاتیکہ دام اولیاء است
عکس مہ رویاں بستان خدا است

(عارف رومی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت المکرم رحمۃ اللہ علیہ کو ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم کا وافر حصّہ عطا کیا تھا۔ تفسیر وحدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، فلسفہ اور طب پر انہیں پورا عبور حاصل تھا۔ ہم جب بھی حضرت رح کی محفل میں حاضر ہوتے تو اپنی اپنی جھولیاں گلہائے رنگا رنگ سے بھر کر لے جاتے کبھی قرآن پاک کے اسرار و رموز سے آشنا کرتے کبھی فقہ کی گہرائی میں غوطہ لگا کر نایاب موتی برآمد کرتے مختلف فرقوں اور مذاہب عالم کی نظریات بیان کرتے خصوصاً شیعہ مذہب کی دھجیاں اڑاتے بڑی پُربہار محفلیں ہوتی تھیں۔ اور ان محفلوں میں عجیب وغریب علمی نکتے بیان کرتے۔ مثلاً

قصہ موسیٰؑ وخضرؑ بیان کرتے ہوئے دیوار کے درست کرنے کے سلسلے میں فرمایا۔ قانونِ تصوف یہ ہے کہ شیخ کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ اور اعتراض سے بچنا چاہیئے ورنہ سالک کی ترقی منازل نہیں ہو سکتی۔

شیعہ حضرات کے بارے میں تحریف قرآن کے نظریہ کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ انطاکیہ کے لوگ آنحضرتؐ کے پاس آئے کہ فابوا کی جگہ فاتوا کر دیں

حضورؐ نے فرمایا۔ قرآن کا ایک نقطہ بدلا تو میری یادگار نبوت ختم۔

شیعہ کے ہاں دعویٰ یہ ہے کہ قرآن سارے کا سارا بدل گیا۔ اس مذہب کا موجد یقیناً اسلام کا دشمن تھا۔ ہر باطل مذہب کے بانی کو غلطی لگی لیکن شیعہ مذہب کے بانی نے عملاً اسلام کے مٹانے کی بنیاد رکھی۔

فرمایا فرعون بھلا موسیٰؑ کی ہیئت کذائی دیکھ

کر کیسے مان سکتا تھا۔ انبیاء کی پہچان ان کی تعلیم سے ہوتی ہے۔ لباس سے نہیں۔

صحابہؓ کی دین کی دفاع اور ترقی کے لئے قربانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

تبوک کے جنگ کے لئے ۳۰ ہزار کا لشکر تھا ۲۰ ہزار مجاہدین کا سارا سامان صرف اکیلے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فراہم کر دیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس کے بعد عثمانؓ کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

فرمایا ہرقل روم کو یقین تھا حضورؐ کی رسالت کا حضورؐ نے پیغام بھیج دیا کہ ہم آرہے ہیں۔ ہرقل نے حرکت کی۔ دولۃ الجندل کے حاکم کے پاس خالد بن ولیدؓ کو بھیجا۔ گرفتار کر لیا۔ حضورؐ نے ہرقل کو خط لکھا۔ ہرقل نے پوچھا۔

۱:۔ کس نے وہاں نبوت کا دعویٰ کیا۔

۲:۔ آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گذرا ہے۔

۳:۔ کس خاندان سے ہے۔ ابو سفیان نے جواب دیا۔ حضور کی تعلیم توحید ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ والذین اٰمنوا الخ

مذہب شیعہ کی کہانی ایک ہندو کی زبانی۔

ایک نجی محفل میں شیعہ مذہب کے بارے میں فرمایا۔ ملتان میں شیعوں نے ایک راستہ منظور کرایا۔ آگے سکھوں کا گوردوارہ تھا۔ اس میں بڑ کا درخت تھا۔ جسکی شاخ جھکی ہوئی تھی۔ اختلاف ہو گیا۔ سکھوں نے روضہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سنی آگئے سکھوں کو مارا۔ S.P. ایس پی ہندو تھا۔ اس نے سکھوں کو بلایا کہ ایک بات کرتا ہوں۔ تم باہر سے نہیں آئے۔ اسی ملک کے اندر ۸۰۰ سال پہلے تم ہم سے جدا ہو گئے بعد میں اسلام کا لیبل لگایا۔ بات وہی پرانی ہے۔ ہم اور آپ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اب فائدے کی بات یہ ہے کہ اپنے مذہب پر آجاؤ۔ سکام یہی کرو۔ ہم تم سے رشتے ناطے کریں گے۔ صرف لیبل بدل دو۔

۱:۔ ہم بھی لکڑی کی پوجا کرتے ہیں تم بھی۔ فرق صرف گیلی اور خشک لکڑی کی ہے۔

۲:۔ ہم گائے کی پوجا کرتے ہیں۔ تم گھوڑے کی اس کے لید کی۔ اس کے جھاگ کی۔

۳:۔ ہم بھجن گاتے ہیں تم مرثیہ پڑھتے ہو۔ بات ایک ہی ہے۔

۴:۔ ہم پوتھیاں پڑھتے ہیں تم مرثیہ کی کتابیں

۵:۔ ہم لوگ کہتے ہیں کہ ۱۱ مرد ایک عورت۔ تم متعہ کہتے ہو۔ تعداد مقرر نہیں۔

۶:۔ ہم دسہرہ کہتے ہیں تم تعزیہ

۷:۔ ہم مورتیاں پوجتے ہیں۔ تم روضہ حسین کو پوجتے ہو۔

۸:۔ ہم تیں مورتی مناتے ہیں تم عید غدیر مناتے ہو

۹:- عبادت ہم بھی نہیں کرتے۔ مسجد تم نے بھی کبھی نہیں دیکھی۔ تم کوئی عرب سے تو نہیں آئے اس لئے میں تمہاری منت کرتا ہوں۔ کہ یہ لیبل بدل دو۔ وہ سب کچھ کرو جو کرتے ہو۔ مناقب شہر بن آشوب جو شیعوں کی مشہور کتاب ہے۔ میں ہے۔ کہ جنت، دوزخ کی کنجیاں حضرت علی رضؓ کے پاس ہیں ان کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں۔

شیعہ کے عجیب عقائد:- شیعہ شیخین کو اتنا برا سمجھتے ہیں۔ جتنا کسی اور کو دنیا میں نہیں سمجھتے۔ ہمارا علی اور ان کا علی اور۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ سے خلافت چھین لی گئی۔ جبرائیل تین دفعہ آیا کہ اگر حضرت علی رضؓ کے خلافت کا اعلان نہ کیا تو نبوت سے نام کاٹ دیا جائے گا۔ طبری نے اس سے خلاف احتجاج کی ہے۔ اعلان ہو گیا۔ مگر ابو بکر رضؓ نے خلافت بھی چھینی اور بیعت بھی لی۔ اس طرح کہ حضرت علی رضؓ کے گلے میں رسی ڈالی حضرت عمر فاروقؓ اور خالد رضؓ نے پکڑ کر گھسیٹ کر لائے۔ حضرت علی رضؓ نے کہا۔ کہ مجھے اونٹ کی نکیل ڈال کے بیعت کرائی۔ خلافت بھی کھوئی۔ فدک بھی کھویا مصلی پہ جبرا گھڑے ہو گئے۔ ان حالات میں شیر خدا بھی دیکھتا رہا اور ان کا خدا بھی۔

علی رضؓ نے فرمایا۔ میرے پہلے جو گذرے انہوں نے قرآن بدلا۔ سنت چھوڑی۔ اگر میں اب بدلوں تو میرا لشکر مجھے چھوڑ جائے گا۔ اکیلا رہ جائے گا۔

تفسیر حسن عسکری میں ہے۔ کہ جب حضرت ابو بکر صدیق خلیفہ بن گئے تو اس وقت درخت انسان بن کے آئے۔ تلواریں لے کے۔ حضرت علی رضؓ کے پاس عصائے موسیٰ کی کرامت بھی تھی۔ ید بیضا بھی۔

تخت سلیمانی:- جن فرشتے، آگ سب طاقتیں موجود تھیں۔ مگر علی کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ خدا بھی دیکھتا رہ گیا۔ ۲۴ سال تک یہ سب طاقتیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ اور حضرت علی نے یہ عرصہ زندگی یوں گذاری۔

دھی بات موت کے بعد کی:- سب مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے بیت اللہ عرش کرسی تمام سے افضل ترین مقام روضۂ اطہر ہے۔

حضور نے فرمایا۔

مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ فالذین هاجروا فی الارض۔

اللہ تعالیٰ نے واقعی شیخین کو دنیا کی بہترین جگہ روضۂ اطہر میں جگہ دی۔ وفاء الوفاء سمہودی میں تینوں قبروں کا مقام دکھایا گیا ہے۔ کیا ایسی جنت کے اندر دوزخ ہے۔ اگر یہ دونوں خلفاء یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضؓ دوزخ میں ہیں تو حضور صلعم کہاں ہیں۔

عقل کی بات ہے۔ تم صدر کو بلاؤ۔ جہاں اسے

ٹھہراؤ۔ اسی کمرے میں دھواں بھر دو۔ تو کیا تم نے صدر کی عزت کی۔ اب بتاؤ کہ اللہ کریم نے کیا حضورؐ کی عزت کی۔ کہ ان کے ساتھ شیخین کو بھی جگہ دی۔ عجیب منطق شیعہ حضرات کی۔

ان الذین سبقت لھم الحسنی اولئک ...... لۂ درے جنت میں داخل ہو گئے۔

حضور اکرمؐ کے وجود اطہر کی جہاں سے لی گئی وہیں سے شیخین کے وجود کی مٹی لی گئی۔

تفسیر کبیر میں ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کرامات میں سے یہ بھی ایک مشہور کرامت ہے۔ کہ جب ان کا جنازہ روضۂ اطہر کے دروازے پر لایا گیا۔ تو جنازہ اٹھانے والوں نے صلوٰۃ وسلام کہنے کے بعد کہا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ دروازے پر حاضر ہیں۔ تو دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آواز آئی کہ ادخلوا الحبیب الی الحبیب دوست کو اپنے دوست کے پاس لے آؤ۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضورؐ زندہ ہیں۔ کافر جنت میں نہیں جا سکتا۔ اگر ابوبکرؓ مرتد ہوتے تو حضورؐ کیوں بلاتے۔

رجال کشی شیعوں کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۶ پر ہے۔ کہ حضرت علیؓ کے ساتھ صرف چار آدمی جنت جائیں گے۔ عمر و محمد بن ابی بکر و ابن یحیٰی اور اویس قرنی۔ اس کے علاوہ دوسرے صحابہ کے بارے میں حضرت علیؓ ناراضگی کا اظہار کریں گے۔ اور کہیں گے۔ کہ انہوں نے مجھے دھوکا دیا اور نفاق کیا۔ یعنی شیعہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ صحابہ سب جھوٹے تھے اور منافق تھے۔ حالانکہ خود اپنی منافقت کو وہ تقیہ کا خوبصورت نام دیتے ہیں۔

نعت

زباں پہ میرے درود و سلام تھا آخر
ہر ایک زخم پہ پھایا مدام تھا آخر

گدا و شاہ اسی ایک در کے سائل تھے
وہ بارگاہ تھی اور اذنِ عام تھا آخر

جبینِ سجدہ دلوں کی طرح سے روشن تھی
وہ ایک یاد تھی جسکو دوام تھا آخر

اے حوادثِ دنیا نہ چھو سکے حامدؔ
محمد عربیؐ کا غلام تھا آخر

محمد حامد

نسیم ملک

میرا محسن میرا مرشد

۱۹۷۴ء میں جب میرے دوست ہاشم بلوچ مجھ سے ملنے آئے تو ان میں خاصی تبدیلی آچکی تھی۔ چہرے پر سمارٹ سی داڑھی اور سنبھلا ہوا محتاط طرز گفتگو۔ تبدیلی تو میرے اندر بھی آچکی تھی۔ مگر اتنی "خاصی" نہیں تھی۔ چھوٹتے ہی کہنے لگے "میں دعا کرتا ہوں کہ میری ملاقات تک تمہاری داڑھی سلامت رہے" میں بڑا محظوظ ہوا۔ ہاشم بلوچ کے دیرینہ اور ضرورت سے زیادہ قرب کی وجہ سے یہ دعا خاصی مزیدار لگی ان دنوں میں پنڈی میں تھا۔ نیا نیا گرفتار دین ہوا تھا تاہم فری لانسر تھا۔ نماز، روزہ، چہرے پر ہلکی سی داڑھی اور بس! اسلام کے ساتھ کوئی گہرا تعلق نہ تھا۔ اسلام آباد کے ماڈرن صوفی گروپ قدرت اللہ شہاب مرحوم، ممتاز مفتی کے ساتھ دوستی تھی اور زندگی بڑے مزے سے گزر رہی تھی۔ ہاشم بلوچ نے اس پر بس نہ کی، فوراً ہی دوسرا بیان داغ دیا۔ کہنے لگے "میرا تعلق

اس وقت کے سب سے بڑے ولی اللہ کے ساتھ ہے" میں بے ساختہ ہنس پڑا "چھوڑو یار" میں نے کہا "کسی پیر کے ہاتھ چڑھ گئے ہوں گے۔ تم سے پاؤں دبواتا ہوگا، تمہارے پیسے کھاتا ہوگا۔ وہ بھی خوش اور تم بھی خوش!" کہنے لگے "نہیں یار وہ میرا پیر نہیں، میرا شیخ ہے۔ استاد ہے۔ روحانی باپ ہے" "بس بس، نام جو بھی لو، بات تو وہی ہے نا" میں بولا "یہ سارا institution ہی ایسا ہے" یہ میرا بالکل فطری رد عمل تھا۔ ہمارے انگریزی سکولوں کا ایک خاصا ہے۔ کہ انسان میں ایک فرضی احساس برتری Pseudo superiority complex پیدا کر دیتے ہیں اس میں تیز نگاہی۔ تیز دماغی اور تیز زبانی اس حد تک در آتی ہے جو کچھ عرصے کے بعد تشکیک، بے ادبی اور بے یقینی کو جنم دیتی ہے۔ اس کے بعد خود پسندی کا مضبوط کمبل اسے ہمیشہ کے لئے لپیٹ

جاتا ہے اور پھر نہ یہ اسے چھوڑتا ہے اور نہ وہ اُسے!
زندگی بھر دماغ میں یہ خمار چڑھا رہتا ہے کہ

ہم چوں ما دیگرے نیست

ہاشم اور میں نے مغرب اکٹھے ادا کی۔ میں نے پوچھا "اچھا جناب یہ تو بتاؤ کہ تمہارا پیر صاحب تمہیں کیا بتاتا ہے۔؟" ہاشم بولے "ہمارے استاد صاحب ہمیں ذکر اللہ کی تعلیم دیتے ہیں" میں بدک گیا" یار یہ جو نماز پڑھتا ہوں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہوں، یہ ذکر اللہ نہیں؟" "ہاں یہ بھی اللہ کے ذکر کی قسمیں ہیں۔ مگر جو ذکر قرآن چاہتا ہے۔ وہ ان کے علاوہ ہے" "وہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔ اس پر انہوں نے دو زانو ہو کر آنکھیں بند کر کے زور زور سے ہلنا شروع کر دیا اور سانس کے ذریعے ناک سے عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگے۔ میں بالکل آوٹ ہو گیا" استاد یہ طریقہ تمہیں مبارک۔ یہ کام یاروں سے نہیں ہوتا"، دیکھو نا! نام تو اللہ کا ہے تم میرے ساتھ صرف بیٹھے رہو۔ ثواب تو ہوگا نا!" ثواب کے نام پہ دل ذرا سا پسیجا۔ وہ لگے رہے میں بیٹھا رہا۔ کبھی کبھار قسم کھانے کو ایک آدھ اللہ سیدھا سانس میں بھی لے لیتا رہا۔ رات کے کھانے کے بعد سو گئے۔ صبح کے شاید تین بجے ہوں گے اور موسم گرما میں نیند کا خصوصی وقت، کہ میرے کمرے میں بھونچال سا آگیا۔ شاید بلوچ صاحب دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔ میں بڑبڑا کر باہر آیا" یار خیریت تو ہے؟ کیا ہوا؟" ملک یار اٹھو تہجد پڑھ لو" اس وقت ذہن میں جو خیالات آئے، اب پاس ادب کی وجہ سے ان کا اظہار ممکن نہیں۔ خیر اپنا نام تہجد گزاروں میں لکھوانے کو یہ کڑوا گھونٹ بھی پی لیا۔ فارغ ہوا تو پوچھا۔ یار وحشت اب کیا ارادہ ہے؟" بولے "اب دوبارہ ذکر ہوگا"، "دیکھو یار بلوچ، تم میرے گھر میں جو کچھ اکیلے میں اپنے ساتھ کرنا چاہتے ہو کر لو۔ دھمال ڈالو۔ چھلانگیں مارو جو مرضی آئے کرو، پر تمہاری آزادی وہاں ختم جہاں سے میری ناک شروع!" وہ یعقد ہے۔ آخر میں سمجھوتا ہو گیا۔ وہ وہی حرکت کرتے رہے میں اسی طرح ہمراہ بیٹھا رہا۔ صبح ہوئی انہوں نے اجازت مانگی جو میں نے بخوشی سے بھی زیادہ خوشی کے ساتھ دے دی۔" ملک کبھی کبھی یہ ذکر کرتے رہنا، انہوں نے الوداعی تلقین کی۔"

تکرمت۔ تو سلامت روی و باز آئی

تو سلامت رہ میں باز آیا" خدا حافظ،" میں بولا۔ وہ چلے گئے، میں بھول گیا۔ البتہ کبھی کبھار دوست کے ساتھ کیا گیا۔ وعدہ نبھانے کو چند لمحے ان کی نقل اتار لیتا۔

ایک رات ممتاز مفتی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ممتاز مفتی سے مجھے وہی نسبت تھی جو ایک نوجوان کبوتر کو

ایک بوڑھے آلو سے ہوتی ہے۔ ہم دونوں بغیر کسی قدر مشترک کے بڑے گہرے دوست تھے۔ کلام بالا رواج کی بات ہو رہی تھی۔ وہ اس کے حق میں تقریر کر رہا تھا۔ اور میں ماننے کے لئے قطعاً تیار نہ تھا تنگ آ کر بولا "بھئی تمہارے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ میرا اپنا ایک بھتیجا امام بری سے باتیں کرتا ہے۔" جھوٹ، ایک دم جھوٹ، اس رات کی طرح سیاہ جھوٹ"، میں نے کہا۔ ذرا دیر کے بعد میں نے کہا "اور کرتا کیا ہے؟" وزارت تعلیم میں ریسرچ آفیسر ہے" میں ذرا سا مرعوب ہوا "کہاں رہتا ہے؟" "قریب ہی" "اچھا" میں نے کہا "تو مجھے اس کے پاس لے چلو" تھوڑی دیر کے بعد ہم اس کے گھر پہنچ گئے۔ میں نے اسے دیکھتے ہی سوال داغ دیا۔ "کیا آپ امام بری سے باتیں کرتے ہیں؟" "ہاں کرتا ہوں" اس نے کہا "تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" "نہیں اعتراض تو کوئی خاص نہیں بس ذرا عجیب سا محسوس ہوتا ہے" میں بولا۔ "ہوتا ہوگا" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ایک دو ملاقاتوں میں ہم بڑے اچھے دوست بن گئے۔

ایک دن میں نے اسے کہا "مجھے کسی دن امام بُری تک [illegible] کر دیں"، کہنے لگا "انہوں نے تمہاری متعلق مجھے پہلے سے ہی منع کیا ہوا ہے کہ اسے فی الحال [illegible] نہیں کرنا"، میں نے کہا۔ میں پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ سارا چکر ہی ہے۔ پھر میں نے اسے بتایا کہ کس طرح میرے ایک پرانے دوست نے مجھے اللہ کے ذکر کی دعوت دی۔ "اگر آپ کا رابطہ واقعی امام بری سے ہے تو ان سے پوچھ دیں" وہ اندر چلا گیا۔ چند منٹوں کے بعد لوٹا تو ہاتھ میں ایک کاغذ کا پرزہ تھا۔ جس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ روزانہ عشاء کے بعد سو مرتبہ پڑھا کرو۔ چند ہی دنوں میں راستہ واضح ہو جائیگا۔ میں نے وہ کاغذ مضبوطی سے پکڑا اور اس کی ہدایت پر عمل شروع کر دیا۔

مفتی سے بات ہوئی تو کہنے لگا۔ دیکھو پھنسنا نہیں۔ یہ لوگ بڑے ڈاڈھے ہوتے ہیں۔ نکلنا تو دور کی بات ہے۔ پھر تڑپنے بھی نہیں دیتے۔ مجھے دیکھو مدت سے دروازے کے باہر بیٹھا ڈھول بجا رہا ہوں کہ اندر کچھ ہے پر خود اندر نہیں جاتا" ایک روز شہاب مرحوم کے ساتھ اسی موضوع پر بات چل نکلی۔ میں نے کہا "جناب جس طرف مجھے دعوت دی جا رہی ہے۔ وہ صاحب روایتی بزرگ ہونگے جنھوں نے شاید زندگی بھر گناہ کی لذت نہ چکھی ہو انہیں میرے حالات کا ادراک کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے مسائل عقلی نوعیت کے ہیں، جب تک ہم آہنگی نہ ہو معلوم نہیں وہ کیسے حل ہوں گے"، شہاب نے کہا "آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے، یہ بہت بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ میری مانیں تو

ان کے ساتھ جُت جائیں۔" "اچھا" میں نے کہا۔ دیکھیں گے۔"

چند ہی روز گزرے کہ ایک دوپہر کسی نے بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آنکھیں ملتا۔ اس بیوقت ملاقاتی کی پذیرائی کو نکلا تو سامنے ایک خوبصورت باشرع نوجوان کو پایا۔ اندر لاکر بٹھایا۔ کہنے لگا۔" میں آپ کے دوست ہاشم بلوچ صاحب کا دوست ہوں۔ کچھ دن پہلے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کا پتہ دیا اور ہدایت کی کہ میں آپ کو ذکر کی دعوت دوں۔ ہم یہاں چک لالہ کی ایک مسجد میں روزانہ مغرب کی نماز کے بعد ذکر کرتے ہیں۔ آپ بھی تشریف لایا کیجئے۔" میں نے ایسے ہی حامی بھر لی۔ وہ چلا گیا تو مجھے احساس ہوا۔ دل نے ملامت کی کہ اگر جانا نہیں تھا۔ تو وعدہ کیوں کیا تھا۔ اب جاؤ ضرور تمہیں وہاں کیا ہونا ہے۔ میں نے موٹر سائیکل پکڑا اور اس سے بھی پہلے اس مسجد میں پہنچ گیا۔ مغرب کے بعد اس نوجوان نے باقی احباب کے ساتھ میرا تعارف کرایا۔ سب نے اظہار خوشی کے طور پر تین تین مرتبہ پسلی شکن معانقہ کیا۔ اس کے بعد محفل ذکر ہوئی۔ سب نے بلوچ صاحب کی طرح زوردار ذکر کیا۔ میں بھی آہستہ آہستہ بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اگرزاہ کرتا رہا۔ چند روز کے بعد میں نے صاف صاف کہہ دیا" جناب میں بڑا سخت دل انسان ہوں۔ یہ آپ کا ذکر میرے اوپر مشکل ہی اثر کرے گا۔ ایک دو تو ہنس کے بات ٹال دی مگر ایک تیز سے نوجوان سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگا۔ جناب آپ کس کھیت کی مولی ہیں۔ یہاں بڑے بڑے سیدھے ہو گئے ہیں۔ آپ کی کیا حیثیت ہے؟ میں نے کہا۔ میں بڑا تو نہیں، پر مانوں گا تب جب سیدھا ہوں گا۔ مجھے اپنے متعلق یہ خوش فہمی ہے کہ میں بغیر کسی خاص خوش فہمی کے اس جماعت میں شامل ہوا اور میں نے کسی بھی بات کو اس وقت تک نہیں مانا جب تک اس بات نے زبردستی اپنے آپ کو مجھ سے منوا نہ لیا۔ تقریباً ایک ماہ کے بعد ان احباب نے مجھے کہا" ہمارے حضرت اس ہفتے کو چکوال تشریف لا رہے ہیں۔ ہم ملنے جائیں گے۔ کیا آپ بھی چل سکیں گے؟ بہت فائدہ ہوگا۔ میں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ بہت فائدہ کیا ہوتا ہے۔ ان کے ہمراہ چکوال کا پروگرام بنا لیا۔

۱۳ ستمبر کو شام کے وقت چکوال پہنچے ایک مسجد میں قیام رہا۔ رات کے وقت ہاشم بلوچ اپنے چند احباب کے ساتھ تشریف لائے۔ سب کے ایک ہاتھ میں بیگ، دوسرے میں جوتے اور سر پر کالی جناح کیپ۔ ایک دم با جماعت! معلوم ہوا کہ حضرت کے گھر کچھ تکلیف ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ تشریف نہیں لا سکے۔ خاصی مایوسی ہوئی۔

دوسری صبح ہاشم اور ان کے احباب نے پروگرام بنایا کہ حضرت کے گھر چلا جائے۔ عیادت بھی کر آئیں گے اور ملاقات بھی۔ مجھ سے پوچھا تو میں بھی رضامند ہو گیا۔ چکوال سے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور تلہ گنگ سے ہوتے ہوئے میانوالی چل پڑے۔ میانوالی سے ۲۵ میل پہلے بن حافظ جی چوک سے دائیں طرف چکڑالہ کے لئے مُڑ گئے۔ وہیں اس چوک پر دن کا کھانا کھایا۔ اور تقریباً نصف النہار کو منزل مقصود پر پہنچے۔ گاؤں کی کچی پکی گلیوں سے گزر کر ایک کچی حویلی کے سامنے رک گئے "یہ حضرت کا مکان ہے" کسی نے کہا اور میرے تصورات کا محل زمین بوس ہو گیا۔ نہ کوئی اچھی عمارت، نہ کوئی لنگر، نہ مریدوں کی فوج ظفر موج۔ یہ کیسے پیر صاحب کا گھر ہے۔ دستک دی، ایک ننھی بچی باہر آئی۔ اسے کہا۔ حضرت کو اطلاع کر دو ساتھی آئے ہیں۔ چند لمحوں کے بعد ایک اور صاحب باہر آئے میں نے سوچا اب انہیں بھی وہی پیغام دیں گے۔ میں نے دیکھا کہ تمام احباب ان صاحب کو بڑی عقیدت ادب اور احترام سے مل رہے ہیں۔ میرے ذہن میں ایک بجلی سی کوند گئی خدایا یہ ان کے پیر ہیں؟ یہ شخص پیر نہیں ہو سکتا اس میں تو پیروں والی ایک بھی بات نہیں۔ تب مجھے ہاشم بلوچ کی بات یاد آئی۔ وہ میرا پیر نہیں۔ میرا شیخ ہے۔ میرا استاد ہے۔ میرا روحانی باپ ہے"

میرے سامنے ایک انسان کھڑا تھا جس نے تہمند باندھا ہوا تھا گلے میں کرتہ لشکار کھا تھا۔ سر پر بڑا سا رومال ڈالا ہوا تھا۔ میانہ قد مگر وہ ہم سب سے قد آور معلوم ہوتا تھا۔ گندمی رنگ مگر ہم سب سے زیادہ وجیہہ لگتا ہے۔ سفید ریش اور تیز چمکدار آنکھوں میں ہلکے ہلکے سرخ ڈورے۔ وہ بجید شفقت اور شان کے ساتھ سب سے مل رہا تھا۔

وہ ہمارے درمیان ہوتے ہوئے بھی ہم سب سے الگ تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے پورا ماحول اس کی شخصیت کی عظمت اور وقار سے resonate کر رہا ہو۔ میں نے ایسا انسان آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے خود سے کہا۔ میں تقریباً آخر میں کھڑا تھا میری باری آئی تو میرا تعارف کرایا گیا اس نے میری طرف نگاہ ڈالی۔ محبت اور شفقت کی ایک پھوار میرے دل و جان کو بھگو گئی۔ اس نے اپنے بازو وا کئے اور میں ان میں سمو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ میرے دل پر رکھا اور دوسرے سے میری پشت پر تھپکی دی گویا اپنائیت کی لازوال مہر اس نے میرے سینے اور میرے شانے پر ثبت کر دی۔ پھر دونوں ہاتھوں سے میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ جب میں نے اس کا ہاتھ تھاما تو لاشعوری طور پر میں اسے ہمیشہ تھامے رکھنے کا عہد کر چکا تھا۔

اسی لمحے وہ میرے دل کے کھلے دریچوں سے

اندر آگیا اپنے پیچھے وہ کواڑ ہمیشہ کے لئے بند کرتا ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ میرے لئے صرف ایک انسان" نہیں رہا۔ اب وہ میرا شیخ تھا۔ میرا استاد تھا، میرا روحانی باپ تھا۔ حضرت شیخ المکرم رح ہمیں ساتھ والے کمرے میں لے گئے۔ ہمارے ساتھ مل کر چارپائیاں سیدھی کیں اور ان پر بستر لگائے۔ چھوٹی بچی روح افزا لے آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ تمام اصحاب خاموش بیٹھے حضرت المکرم رح کے ارشادات بغور سن رہے ہیں۔ میں بھی چپ بیٹھا رہا۔ حضرت المکرم رح نے دو بہت دلنشیں باتیں ارشاد فرمائیں فرمایا۔

اصل کمال یہ ہے کہ کوئی شخص ظاہری اور باطنی طور پر اپنے نبی کے کتنا قریب ہے۔ میری زندگی پہ کوئی انگلی رکھ کر بتاؤ کہ میرا فلاں کام خلاف شریعت ہے" یہ بات میرے دل میں کھب گئی۔ میں نے سوچا اتنا بڑا دعویٰ صرف وہی آدمی کر سکتا ہے جسے اس کی صداقت کا کامل یقین ہو۔ پھر فرمایا تم اپنی زندگی کے پچیس تیس سال خرچ کر چکے ہو۔ خود کو اچھی طرح پہچانتے ہو۔ دو تین ماہ میرے کہنے پر عمل کر دو اگر خود محسوس کرو کہ نیکیاں زیادہ اور برائیاں کم ہو گئی ہیں۔ تو جاری رکھنا لیکن اگر معاملہ الٹ ہو جائے تو بیشک چھوڑ دینا۔ جہاں تیس سال ضائع ہو گئے ہیں تین ماہ اور سہی"۔ میں نے دل میں کہا یہ بڑی مردوں والی بات ہے اور بڑا کھرا سودا ہے۔ تین ماہ واقعی کچھ نہیں ہوتے۔

پنڈی واپسی پر میں نے پوری باقاعدگی سے ذکر شروع کر دیا۔ شاید ایک ماہ سے بھی کم عرصہ گزرا کہ میرے ساتھ ایک عجیب سی بات ہوئی۔ میری ایک برائی میرے لاشعور سے ابھری اور میری نگاہوں کے سامنے فضا میں تحریر سی ہو گئی۔ میں نے اسے جھٹک دیا۔ بات نہ بنی۔ پھر میں نے دلائل کا سہارا لیا۔ بات پھر بھی نہ بنی۔ آخر میں سمجھوتا کرنے کی کوشش کی مگر ہار گیا۔ یہ واقعہ میرے ساتھ کئی دفعہ ہوا۔ ہر بار میں نے شعوری طور پر اس عمل کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ میرے خیال میں یہ حضرت المکرم رح کی عظمت کی دلیل ہے کہ ایک حد درجہ گنہگار انسان کا تزکیہ اس کے نہ چاہنے کے باوجود شروع ہو جائے۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اور حضرت المکرم رح سے تعلق مضبوط ہوتا گیا تو ان کی عظیم الشان شخصیت کے بہت روشن رخ سامنے آئے۔ آپ کے علمی پایہ کے متعلق تو صرف عالم حضرات ہی کچھ کہنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔ میں نے البتہ یہ ضرور دیکھا کہ جب کوئی عالم دین تشریف لائے تو پہلی ملاقات میں حضرت المکرم رح کے سامنے بالکل بے تکلفی سے بیٹھے اور اس سے بھی زیادہ بے تکلف انداز میں گفتگو شروع کی۔ ذرا سی دیر میں وہ بے تکلفی آداب کا روپ دھار گئی اور جب رخصت ہونے لگے تو کمال ادب سے حضرت المکرم رح

کا ہاتھ تھام کر درخواست کی کہ "حضرت! مجھے بھی براہ کرم اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرما لیجئے۔ اسی طرح حضرت المکرمؒ کے روحانی کمالات و تصرفات کے متعلق تو کوئی صاحب دل، صاحب بصیرت حضرات ہی بحث فرمائیں گے۔ میں تو صرف اس قدر جانتا ہوں کہ جو ہستی میرے جیسے غرق عصیاں، متبع نفس اور گستاخ انسان کو باوجود میری تمام تر کوتاہیوں کے اٹھا کر دربار نبویؐ علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام میں پیش کر سکتی ہے میں اسکی عظمت کا اعتراف تو کر سکتا ہوں ادراک نہیں!

۱۹۷۵ء میں اپنے ایک دوست کو اس مبارک حلقے کی طرف دعوت دیتے ہوئے جب میں نے کہا میرا تعلق اس وقت کے سب سے بڑے ولی اللہ کے ساتھ ہے" تو وہ ہنس پڑا اور میں آبدیدہ ہو گیا۔

یوں تو حضرت المکرمؒ کی شخصیت کا ہر پہلو درخشاں و تاباں ہے۔ پر جس وصف نے مجھ سے بے لگام شخص کو باندھ کر رکھ دیا وہ آپ کی بیکراں شفقت تھی۔ اپنے ہر روحانی بیٹے کے ساتھ ایک خاص ذاتی تعلق تھا جس کے اظہار کا انداز ہمیشہ مختلف ہوا کرتا تھا۔ میری زندگی میں میرے والدین کے علاوہ پہلی بار مجھے ایک ہستی ملی جو مجھ سے صرف میرے لئے پیار کرتی تھی۔ ایک خود غرض دنیادار کے لئے یہ بڑا انوکھا تجربہ ہوتا ہے کہ کوئی اس سے بے لوث بے غرض محبت کرے۔ اس سے کبھی کچھ نہ مانگے۔ مگر اپنا سب کچھ ہر آن اس کو دینے کو تیار ہو۔ حضرت المکرمؒ کی اس شفقت کی بازگشت مجھ سے نیم گرم، نیم مخلص، خام صوفی کو بھی آپ کی ملاقات کے لئے بے قرار رکھتی۔ جب بھی ملاقات ہوئی تو اپنے سر پر گناہوں کا بھاری گٹھڑ اٹھا کر لے گیا مگر انہوں نے کبھی باز پرس نہ کی۔ کبھی نفرت نہیں کی۔ کبھی دور نہیں بٹھایا بلکہ ہمیشہ اپنے قریب جگہ دی، اپنے سینے کے اجالے اور اپنی شفقت کی شبنم سے میری کالک دھو ڈالی۔ جب میں واپس آیا تو خود کو اس قدر ہلکا پھلکا محسوس کیا کہ اگلی بار اس سے بھی بھاری بوجھ لے کر جا موجود ہوا۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ احباب کی غلطیاں بھی ان کے لئے مسرتوں کی پیامبر بن گئیں دارالعرفان ابھی زیر تعمیر تھا۔ حضرت المکرمؒ ایک شام قبل از مغرب چند احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے ارشاد ہوا "ساتھی کافی ہوتے ہیں۔ دوران ذکر میری آواز سب تک نہیں پہنچتی۔ اگر کوئی ساتھی لطائف زور سے پکار دیا کرے تو بڑا اچھا ہو" مجھ سا احمق اپنے نفس کے جال میں فوراً پھنس گیا۔ میں نے سوچا یہ مبارک کام سرانجام دینے کو مجھ سے موزوں تر شخص اور کون ہو سکتا ہے۔ ذکر شروع ہوا۔ احباب پہلا لطیفہ کرنے لگے۔ حضرت المکرمؒ نے فرمایا "دوسرا لطیفہ" تو میں نے بھی زور سے یہی آواز لگائی۔ اس

کے بعد حضرت المکرم نے لطیفہ تبدیل کرایا تو میں نے زور سے کہا "تیسرا لطیفہ" جب میں نے "چوتھا لطیفہ" کہا تو حضرت المکرم نے فرمایا "خاموش" کون ہے" چپ ہو جاؤ" میری تو جان نکل گئی۔ اس قدر direct جھاڑ سے تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ چند لمحے چپ چاپ سن بیٹھا رہا کہ اب معلوم لطائف کرنے کا کچھ فائدہ بھی ہوگا یا نہیں۔ بہرحال آہستہ آہستہ ذکر جاری رکھا ذکر ختم ہو گیا۔ مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا سیدھا جناب کرنل مطلوب صاحب کو جا پکڑا۔ چونکہ میری آواز پہچانتے تھے اس لئے تمام واقعہ سمجھ چکے تھے۔ دیکھ کر ہنسنے لگے اور کہا "یہ تو پھر ہوگا" میں نے کہا "جناب میری جان پر بنی ہے۔ اور آپ ہنستے ہیں۔ براہ مہربانی حضرت المکرمؒ کے پاس چلیں اور سفارش کریں" جب ہم حضرت المکرمؒ کے کمرے میں گئے تو حضرت المکرم شب خوابی کے لئے تہمند زیب تن کر چکے تھے۔ کرتہ ابھی تک نہیں پہنا تھا۔ چارپائی پر تشریف فرما تھے اور بڑے خوشگوار موڈ میں تھے۔ جناب کرنل صاحب، حضرت المکرمؒ کے دائیں گھٹنے کے ساتھ بیٹھ گئے اور میں بائیں سے لگ کر بیٹھ گیا۔ جناب کرنل صاحب نے میرا نام لے کر گفتگو کا آغاز کیا۔ حضرت یہ...... "حضرت المکرمؒ نے فوراً بات کاٹی، مجھے فرمایا "تم تو ابھی رہو گے نا؟" میں تقریباً روہانسا ہو چکا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ جی انشاء اللہ اجتماع کے آخر تک رہوں گا۔ حضرت خوش ہو گئے۔ جناب کرنل صاحب نے میرا نام لے کر دوبارہ کوشش کی "حضرت یہ......" حضرت المکرم نے فوراً فرمایا "مجھے پتہ ہے یہ ابھی رہے گا" اس وقت میرا دل چاہا کہ میں چیخ چیخ کر رونا شروع کر دوں، خدایا حضرت المکرمؒ وہ بات کیوں بھول گئے ہیں؟ اس دفعہ جناب کرنل صاحب نے بلا تمہید ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیا "حضرت وہ جو ساتھی ذکر میں لطائف زور سے پکار رہا تھا، یہی تھا" حضرت المکرمؒ نے میری طرف دیکھا اور تعجب سے پوچھا "ہالا، وت تو تیس (اچھا، وہ تم تھے)؟"

مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور میں نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔ حضرت المکرمؒ نے مجھے سمجھانا شروع کیا "دیکھو نا جب میں لطائف پکارتا ہوں یا دوران ذکر اشعار پڑھتا ہوں تو ان میں بھی توجہ ہوتی ہے......" لیکن جب دیکھا نا میری ریں ریں ختم ہی نہیں ہو رہی تو سمجھانا چھوڑ کر منانا شروع کر دیا "وت میں تیرا پیو نئیں (کیا میں تمہارا والد نہیں)؟ والدین کا یہ حق نہیں ہوتا کہ اولاد کو سمجھائیں؟......" اس وقت صورت حال یہ تھی کہ میں رو رہا تھا۔ حضرت المکرم مجھے منا رہے تھے اور کرنل صاحب مسکرا رہے تھے۔ آخر میں حضرت المکرم نے پیار کرنا شروع کیا "تو تو میرے خاص بیٹوں میں سے ہے" پھر حضرت نے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

گلے لگایا، پشت پر تھپکی دی تو تب میں چپ ہوا کمرے سے باہر نکل کر میں نے جناب کرنل صاحب سے کہا۔ ایسی جھاڑ اگر روزانہ بھی مل جائے تو کوئی حرج نہیں

حضرت المکرمؒ ہر ایک ساتھی سے کمال شفقت کے ساتھ ملاقات فرماتے۔ ہم حیران ہوتے کہ حضرت المکرمؒ ہر ساتھی کا نام کس طرح یاد رکھتے ہیں۔ نہ صرف احباب کے نام یاد تھے۔ بلکہ ہر ایک کے گھریلو حالات سے بھی واقفیت تھی۔ وقت ہوتا تو فرداً فرداً ہر ساتھی سے اسکی اور اس کے اہل خانہ کی خیریت دریافت فرماتے۔ احباب کی خیریت کے متعلق متفکر رہتے اگر کوئی ساتھی کچھ عرصہ تک ملاقات کے لئے حاضر نہ ہوسکتا تو اس کے متعلق استفسار فرماتے۔ احباب کی تکالیف کا سن کر پریشان ہوجاتے۔ میں نے فروری ۱۹۸۳ میں حضرت المکرمؒ کی اجازت سے گردہ کا آپریشن کرایا۔ تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ بعد جناب فضل کریم بٹ صاحب کی رفاقت میں ایک رات دیر سے چکڑالہ پہنچا۔ حضرت المکرمؒ نے اندرون خانہ اپنے خاص کمرے میں طلب فرمالیا۔ ہم سلام کرکے، معانقہ کرنے کے بعد خاموشی سے بیٹھ گئے۔ چونکہ رات کا وقت تھا۔ روشنی بھی کم تھی۔ اس لئے حضرت المکرم نے مجھے نہیں پہچانا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرا نام لے کر فرمایا "اس نے آپریشن کرایا تھا۔ اب اس کا کیا حال ہے؟" جب یہ علم ہوا کہ میں آپ کے سامنے حاضر ہوں تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ دوبارہ گلے لگایا اور پیار فرمایا شفقت کا یہ اظہار صرف میرے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ تمام احباب اس میں برابر کے شریک تھے۔

کئی مرتبہ ارشاد فرمایا "تم میری روحانی اولاد ہو مجھے میری حقیقی اولاد سے کہیں زیادہ عزیز ہو" حضرت المکرمؒ کی اس بیکراں شفقت نے حصول فیض کی بنیادی اقدار کو بدل دیا۔ ہم جب بھی جاتے مرید کی بجائے مہمان بن کر رہتے، کھانا اور بستر ہمیشہ حضرت المکرمؒ کے گھر سے آتا۔ ہمارے آرام کا حتی المقدور خیال رکھا جاتا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت المکرمؒ اپنی خصوصی توجہات سے ہمارے سینوں کو منور فرماتے۔ احباب سے عجیب قسم کا تعلق تھا۔ خود کتنے ہی بیمار ہوتے، جب بھی کوئی ساتھی ملاقات کے لئے آتا تو اپنی بیماری بھول جاتے اور اس کے ساتھ گفتگو فرماتے۔

میں جنوری ۱۹۸۴ میں پنڈی سے تبدیل ہو کر حیدرآباد جا رہا تھا۔ ۸ جنوری کو رات کے وقت بچوں کے ہمراہ حضرت المکرم کے دولت کدہ پر حاضر ہوا صبح کی نماز کے بعد اندر اپنے کمرے میں طلب فرمایا۔ طبیعت ناساز تھی۔ زبان پر چھالے پڑے ہوئے تھے۔ بولنا مشکل تھا۔ یہ تھوڑی ہی دیر بعد افاقہ محسوس کیا اور بڑی بسط سے گفتگو فرمائی

اور کافی دیر ساتھ بٹھائے رکھا۔ پھر بڑی محبت اور شفقت سے الوداع فرمایا۔ ہمیشہ کے لئے! صرف چالیس دن بعد میں واپس آیا! انہیں سفرِ آخرت پہ وداع کرنے کو!

الفت کے اس لازوال رشتے کو موت منقطع نہیں کرتی۔ فراق کی کیفیت آتشِ شوق کو مزید بھڑکاتی ہے۔ وہ برزخ کی ابدی راحت میں ہے اور میرے دل میں اس کی چاہت کے دھیمے دھیمے چراغ جلتے ہیں۔ یہی روشنی میری قندیلِ حیات ہے مجھے یقین ہے کہ میں اب بھی جب اس کے پاس جاتا ہوں تو وہ اپنی شفقت کے بازو میرے لئے وا کرتا ہوگا اسی طرح پیار کرتا ہوگا۔ اگرچہ میں دیکھ نہیں سکتا لیکن اس دنیا میں کون ہے جو محبت کی ٹھنڈک محسوس نہ کر سکے۔ اس کی شفقت اگر الفاظ کا روپ دھارتی ہو گی تو وہ مجھ سے پوچھتا ہوگا" ہالا، دت تو سیں! یہ کمال میرا نہیں، یہ اس کی عظمت کا کمال ہے کہ اسے اپنے رشتوں کا اس قدر پاس ہے۔ اس کا یہ احسان کچھ کم ہے۔ کہ جاتے جاتے مجھے اپنے ایسے بیٹے کے حوالے کر گیا۔ جس نے مجھے یتیمی کا احساس تک نہیں ہونے دیا۔ جس کے دستِ شفقت میں وہی روشنی ہے، وہی گرمی ہے۔ وہی خوشبو ہے اس نے مجھے مجھ سے زیادہ چاہا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر راہ الفت پہ چلنا سکھایا۔ اس نے اپنی نسبت کی دولتِ عظیم مجھے عطا کی۔ وہ میرا محسن تھا۔ وہ میرا مرشد تھا میرا محسن۔ میرا مرشد

اجتماعی ذکر:۔ اس میں ذاکرین کے انوار کا عکس ایک دوسرے پر پڑتا ہے۔ جس سے نحوست دور ہو جاتی ہے۔ قلب میں انبساط پیدا ہوتا ہے۔ ہمت قوی ہو جاتی ہے۔ اور اس اجتماعی ذکر سے جو تاثیر باطن میں پیدا ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔

صبح و شام ذکر کرنے کا حکم، جو شخص اس طرح ذکر نہیں کرتا وہ خدا سے غافل ہے اور ظاہر ہے کہ خدا سے غافل ہو جانے سے بڑھ کر محرومی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس غفلت سے دین میں جو نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں کلام کی گنجائش کہاں ہے۔

اجتماعی ذکر کی مجلس کو ملائکہ گھیر لیتے ہیں۔ رحمت باری اور سکون قلبی نازل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس مجلس میں بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہ سکتا۔ مختصر یہ کہ ذکر کا مامور من اللہ ہونا اور صبح و شام اہتمام سے ذکر کرنا نص سے ثابت ہے اس طرح ذکر کرنا بھی عمل بالکتاب والسنہ ہے۔ ارشاداتِ شیخ المکرم رح

مندرجہ ذیل کتب کے سیٹ رعایتی قیمت پر دستیاب ہیں

رعایتی سیٹ (علاوہ ڈاک خرچ)

سیٹ	رعایتی قیمت	عام قیمت
سیٹ نمبر ۱ :- (حج مبارک) اسرار الحرمین، دیارِ حبیب میں چند روز، سفرِ حج حضرت شیخ المکرمؒ، سفرِ حج حضرت المکرمؒ، خدایا ایں کرم بارِ دگر کن، نور و بشر کی حقیقت، سفرِ حج حضرت حافظ عبدالرزاق صاحب — خصوصاً حج پہ جانے والے احباب کیلئے بہترین تحفہ	۲۰/-	۳۲/-
سیٹ نمبر ۲ :- (حیات بعد الموت) حیات برزخیہ، حیات انبیاءؑ، ارشاد السالکین، نور و بشر کی حقیقت	۳۵/-	۵۱/۵۰
سیٹ نمبر ۳ :- (تحقیق شیعہ تحریک) ایمان بالقرآن، تحذیر المسلمین، ایجاد مذہب شیعہ، راہی کرب و بلا، عصر حاضر کا امام	۴۰/-	۵۷/-
سیٹ نمبر ۴ :- (تصوف) دلائل السلوک، دیارِ حبیب میں چند روز، کس لئے آئے تھے، ارشاد السالکین، حیات انبیاء - نور و بشر کی حقیقت - راہی کرب و بلا - عصر حاضر کا امام، تعارف -	۵۵/-	۷۹/۵۰
سیٹ نمبر ۵ :- (عظمت اسلام و مفکرین عالم) بزم انجم، اطمینان قلب، تعارف، اسرار الحرمین، نور و بشر	۳۸/-	۵۵/-
احباب میں تقسیم کے لئے۔ تعارف، نور و بشر، راہی کرب و بلا، وغیرہ کتب و دیگر کتب ۴۰ یا زیادہ میں منگانے پر ۳۵/ فیصدی رعایت -		
جناب شکیل عبدالرحمن صاحب کی انگریزی کتاب کی (ممبران سلسلہ عالیہ کے لئے)	۲۵/-	۵۰/-

نوٹ :- کتابوں کی قیمتوں کا اطلاق آئندہ فروری کے المرشد میں دی گئی نسبت کے مطابق ہوگا۔

مندرجہ ذیل احباب کا المرشد کا سالانہ چندہ ۱۴۰۷ھ ابھی تک موصول نہیں ہوا۔
ضلعی امراء حضرات خصوصی توجہ فرمائیں۔

کراچی ۴۶۸، ۴۷۹، ۴۸۱، ۱۱۴۰ تا ۱۱۴۴

لاہور ۳۱۷، ۳۱۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۳۸ تا ۶۴۱، ۷۵۳، ۷۵۴، ۸۸۷، ۱۰۹۰ تا ۱۰۹۴، ۱۲۶۵ تا ۱۲۶۷، ۱۴۴۲ تا ۱۴۴۴، ۱۴۴۹، ۱۵۴۷ تا ۱۵۴۹، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۱، ۱۶۲۳، ۱۶۳۰ تا ۱۶۳۲، ۱۷۸۹ تا ۱۷۹۸

راولپنڈی ۱۴۸، ۳۹۶، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۸۴، ۵۱۸، ۵۶۸ تا ۵۷۰، ۵۸۱، ۵۸۴، ۷۹۵ تا ۸۰۰، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۴۱ تا ۹۴۵، ۹۵۲ تا ۹۶۰، ۱۰۲۵ تا ۱۰۴۰، ۱۰۹۶، ۱۱۱۴، ۱۱۸۷ تا ۱۱۹۰، ۱۲۴۰، ۱۲۵۷ تا ۱۲۶۰، ۱۲۶۲، ۱۲۶۹ تا ۱۲۷۳، ۱۲۸۳ تا ۱۲۸۷، ۱۲۸۹، ۱۲۹۱، ۱۳۵۲، ۱۳۷۳ تا ۱۳۸۴، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۹ تا ۱۵۰۱، ۱۶۴۹، ۱۶۵۱، ۱۶۵۷ تا ۱۶۵۹، ۱۶۶۴، ۱۸۱۰۔

پشاور ۲۳۱، ۳۸۶ تا ۳۸۹، ۴۰۱ تا ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۲۲ تا ۴۲۶، ۴۹۳، ۵۵۸ تا ۵۶۳، ۵۸۴، ۶۴۸ تا ۶۵۰، ۷۰۳ تا ۷۳۰، ۷۳۱، ۸۹۳، ۸۹۸، ۹۴۷، ۱۰۸۰ تا ۱۰۸۲، ۱۱۲۶، ۱۲۱۸ تا ۱۲۲۰، ۱۶۶۲ ۔ براہ کرم اپنا سالانہ چندہ ارسال فرمادیں۔

"اطلاع"

ماہنامہ المرشد فروری ۱۹۸۷ء حضرت شیخ المکرم رح خصوصی نمبر ہے۔ جو فروری اور مارچ کیلئے ہے۔ آئندہ شمارہ انشاءاللہ اپریل ۱۹۸۷ء کا ملے گا۔

تصوّف کیا نہیں

تصوّف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے نہ تعویذ گنڈوں کا نام تصوف ہے۔ نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوّف ہے اور نہ آنیوالے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے۔ نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہوجائیگی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباعِ سنت حاصل ہو جائیگی۔ نہ اسمیں کشف والہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ساری خرافات' اسلامی تصوّف کی عین ضد ہیں۔ ——— (ماخوذ دلائل السلوک ص۲۱ از حضرت مولانا اللہ یارخان رح)

تصانیف حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

تصوف

تعارف	۳/-
دلائل السلوک خاص ایڈیشن	۴۰/-
دلائل السلوک انگریزی ایڈیشن	۶۰/-
اسرار الحرمین	۱۵/-
علم عرفان	۳/-
عقائد و کمالات علماء دیوبند	۷/-

حیات بعد الموت

سیف اویسیہ	۱۰/-
حیاتِ برزخیہ	۳۰/-
حیاتِ انبیاء	۱۵/-
حیات النبی ﷺ مذہب اہل سنت کی نظر میں	۱۰/-

شیعیت کا تحقیقی مطالعہ

الدین الخالص	۲۵/-
ایمان بالقرآن	۲۰/-
تحذیر المسلمین	۲۵/-
آیات اربعہ	۵/-
تحقیق حلال و حرام	۵/-
حرمت ماتم	۵/-
ایجاد مذہب شیعہ	۵/-
شکست اعدائے حسین	۴/-
داماد علی	۲/۵۰
بناتِ رسول	۳/-
الجمال والکمال	۵/-

تصانیف حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ

اسرار التنزیل حصہ اول	۱۰/-
اسرار التنزیل " دوم	۱۰/-
اسرار التنزیل " سوم	۱۰/-
اسرار التنزیل " چہارم	۱۰/-
چار پارے مکمل و مجلد	۵۰/-
دیارِ حبیبؐ میں چند روز	۵/-
ارشاد السالکین I	۴/۵۰
امیر معاویہ	۱۰/-
ماہی کرب و بلا	۲/-
عصر حاضر کا امام	۱/-
ارشاد السالکین دوم	۲/-

تصانیف پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

ذکر اللہ عربی	۳/-
لغزشیں	۱۰/-
اطمینانِ قلب	۱۵/-
تصوف و تعمیر سیرت	۱۰/-
کس لئے آئے تھے؟	۸/-
خدایا ایں کرم بار دگر کن	۱۰/-
بزم انجم	۲۰/-
دین و دانش	۱۰/-
کونوا عباد اللہ	۳/-
انوار التنزیل	۷/۵۰
مغالطے	۵/-

ماہنامہ المرشد چکوال

بیاد
حضرت العلام مولانا
اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی
حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ

اصلاح احوال باطنی اصلاح

بدل اشتراک

سالانہ چندہ	۵۰/-
ششماہی	۳۰/-
فی پرچہ	۵/-
سعودی عرب، کویت، یمن، [illegible]	
بھارت سالانہ چندہ	۱۲۰/-
متحدہ عرب امارات مسقط	۱۴۰/-
یورپ	۱۵۰/-
لیبیا	۱۶۰/-
امریکہ کینیڈا	۱۸۰/-

سول ایجنٹ

اویسیہ کتب خانہ
۷۲۸/G ماڈل ٹاؤن اے۔ ایکسٹینشن
کیو بلاک۔ لاہور
۲ نمبر ویگن کا آخری سٹاپ

ملنے کا پتہ: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع چکوال

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255